حج کے متعلق شہید مطہریؒ کی یادداشتوں کا مجموعہ

حج

متفکر اسلام استاد شہید مرتضی مطہری رحمۃ اللہ علیہ

مترجم : فیروز حیدر فیضی

خانه فرهنگ جمهوری اسلامی ایران۔کراچی
شماره دیوی: ....
شماره ثبت : ۱۰۲۰۷ — ۴۰ ....
تاریخ ثبت : ۱۳۸۷/۱۲/۲۹ ....

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلیہ حقوق بحق موسسۃ المنجی محفوظ ہے

نام کتاب: حج

تالیف: مفکر اسلام آیۃ اللہ شہید مرتضیٰ مطہریؒ

مترجم: حجۃ الاسلام والمسلمین جناب فیروز حیدر فیضی

تصحیح: حجۃ الاسلام سید بابر حسین کاظمی

کمپوزنگ: مبارک حسنین زیدی

ناشر: انتشارات مسجد مقدس جمکران باسفارش موسسۃ المنجی

تاریخ نشر: نومبر ۲۰۰۸ء (طبع اول)

تعداد: ۳۰۰۰ جلد

مطبع: اسوہ

شابک: 978-964-973-185-8

ملنے کا پتہ: موسسۃ المنجی، آر۔۱۱۱۱، بلاک ۲۰، ایف بی ایریا کراچی پی او بکس نمبر ۱۷۵۴۱

(ایران) 0098 9127585273 (پاکستان) 0345-2985380

Sbhk786@Yahoo.com / Sbhk110@Gmail.com

اسٹاکسٹ:

-Markaz Ahlul Bait 11-13 Edgeley Rd. Calapham. London. U.K

-The Saviour Islamic Publications & Books Supplier. R-1111, Block-20

F.B Area,Karachi P.O. Box No. 17541 (Cell 0345-2985380)

افتخار بک ڈپو، اسلام پورہ، لاہور، پاکستان۔ ادارہ اصلاح، مسجد دیوان ناصر علی، بیگی گنج چوک لکھنؤ، انڈیا

حج

تالیف: متفکر اسلام آیۃ اللہ شہید مرتضیٰ مطہریؒ

ترجمہ: حجۃ الاسلام فیروز حیدر فیضی

فہرست مطالب

مقدمۂ ناشر ۷

پیش گفتار ۹

مقدمہ (نظارتی کمیٹی) ۱۳

اسلامی تفاہمات ۱۵

پہلا درس: حسن تفاہم ۱۷

دوسرا درس: آیات واحادیث ۲۵

تیسرا درس: مسلمانوں کے تفاہم اور وحدت میں حج کا کردار ۳۲

سفر کے اخلاق وآداب ۳۹

پہلا درس: حج کے مسافرین کے لیے درس اخلاق کا فائدہ اور اس کا لازمی ہونا ۴۱

دوسرا درس: بعض الفاظ کے معانی سے آشنائی ۴۹

اخلاق: ۴۹

آداب: ۵۲

سفر: ۵۳

رفیق: ۵۷

کعبہ اور اس کا اجتماعی کردار.. ۵۹

ابراہیم علیہ السلام سربراہ توحید.. ۱۴۵

مختصر یادداشتیں.. ۱۶۵

احرام اور اس کا فلسفہ.. ۱۶۷

مسعودی کے نقل کے مطابق جو افراد صدر اسلام سے ۳۳۵ھ تک حجاج کی

امارت کے ذمہ دار تھے.. ۱۷۱

عاشقانہ حج.. ۱۷۲

فلسفۂ حج.. ۱۸۰

اسرار حج.. ۱۸۰

چین میں حج کی تاثیر.. ۱۸۰

حج مسلمانوں کے اجتماعی زاویے سے.. ۱۸۰

حج اور اسلامی ممالک میں اس کے اثرات.. ۱۸۱

حج کے فوائد ویل ڈورانٹ کی نظر میں.. ۱۸۱

کعبہ.. ۱۸۱

مکہ کے گھروں کے فروخت اور اجارہ کا عدم جواز.. ۱۸۲

اجتماع میں مرکزیت.. ۱۸۲

فہرستیں.. ۱۸۴

مقدمہ ناشر

یقیناً یہ ایک لازوال حقیقت ہے کہ جب تک خانۂ کعبہ باقی ہے اس وقت تک دین اسلام بھی قائم و دائم رہے گا جس کے لیے مخبر صادق علیہ السلام کا یہ مشہور و معروف فقرہ شاہد ہے: ''لا یزال الدین قائما ماقامت الکعبة''۔

اور سرزمین خانۂ کعبہ وہ ہے جو حج کے لیے مرکزی حیثیت کی حامل ہے البتہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم حج کی حقیقت اور فلسفہ کو سمجھیں لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ اس کے عرفانی، روحانی، اجتماعی، سیاسی اور ثقافتی پہلوؤں پر غور و فکر کریں کیوں کہ اس کے پراسرار اعمال میں اول احرام اور لبیک اللّھم لبیک سے لے کر آخر مناسک حج تک عرفانی اور روحانی اشارے موجود ہیں۔

لبیک لبیک کی تکرار ان افراد کی طرف سے حقیقت نما ہوتی ہے کہ جنہوں نے حق کی آواز کو گوش جاں سے سنا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی پکار کا جواب اسمِ جامع کے ساتھ

دیتے ہیں گویا کہنے والا اپنے آپ سے بے خود ہو کر بار بار اس کی پکار کا جواب دیتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ نہ صرف الوہیت میں ہر شریک کی نفی کرتا ہے بلکہ ہر قسم کے شریک کی نفی کرنے سے دیگر مراتب کی بھی نفی ہوتی ہے اس میں تمام مراتب مخفی ہیں۔ ''الحمد لک و النعمة لک'' کہنے والا احمد و نعمت کو ذاتِ اقدس سے مخصوص قرار دیتا ہے۔ اہل معرفت کی نظر میں توحید کا ہدف و مقصد یہ ہے کہ ہر قسم کے شریک کی نفی کی جائے۔ ہر حمد و نعت جو اس جہان ہستی میں محقق ہوتی ہے وہ صرف خدا ہی کی ہے۔ یہ مفہوم اور اعلیٰ مقصد ہر ''موقف'' ''مشعر'' اور ''وقوف'' میں ہر حرکت و سکون اور عمل میں جاری ہوتا ہے۔

آپ اسی شعور و عرفان کے ساتھ کتاب ہذا کے مطالعہ کے بعد انشاء اللہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوں اور تمام محرومین و مستضعفین عالم کی دنیا و آخرت میں نجات کے لیے مقدس مقامات پر دعا کریں۔

والسلام

حسین احمدی

مسئول انتشارات مسجد مقدس جمکران

قم المقدس

پیش گفتار

خانۂ خدا کی طرف ''خاص مناسک عبادات'' کی انجام دہی کے لیے ''سفرِ قصدِ قربت'' کا نام گرامی حج ہے۔

سفرِ حج دراصل بہت عظیم ہجرت ہے جو ایک الٰہی سفر ہے اصلاحِ نفس نیز جہادِ اکبر کا وسیع میدان ہے۔ حج مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد کا بہترین سبب ہے، حج نسل پرستی اور علاقائی طبقات کے امتیاز کو ختم کرنے کے لیے بہترین میدان ہے، حج اسلامی ممالک میں فوجی ظلم و ستم کے خاتمہ کا وسیلہ ہے۔ حج ایک ایسی اسلامی کانفرنس ہے جو اسلامی ممالک کی سیاسی خبروں کو دوسرے مقامات تک پہنچانے کا وسیع ذریعۂ ابلاغ ہے۔

زندگی کے اس مبارک سفر میں عبادات قدم قدم پر انسان کے لیے معنویات اور روحانیت کی خاطر دعوتِ فکر و مقام عبرت ہیں۔ سفر کیوں درپیش ہے اور کس کے لیے ہے؟ کس عظیم مقام پر جا رہے ہیں؟ اور میزبان کون ہے جس کے گھر جا رہے ہیں؟ اس کی عظمت و جلالت کیا ہے؟ مہمان داری میں کیا کیا آداب بجالانے ہیں؟ مہمان صرف ہم ہی ہیں یا دوسرے افراد بھی؟

ایسی توفیق حاصل ہوئی ہے تو یہ فکر کریں کہ اسے بار بار حاصل کریں جیسا کہ ہمارے ائمہ اہل بیت نے عشق وعرفان میں بار بار نہ جانے کتنے پیدل سفر اس گھر کے کیے اور ہمیشہ ہم لوگوں کو تعلیم ونصیحت کیا کرتے تھے کہ اس سفر کی آمادگی کے لیے رمضان المبارک کی صبح وشام کی دعاؤں میں کہا کرو: ''اللھم ارزقنی حجّ بیتک الحرام'' اے خدا! مجھے حج بیت اللہ الحرام کی توفیق مرحمت فرما۔ صرف ایک بار حج کرنے کی دعا نہ کرو بلکہ ''في عامي هذا و في كل عام'' اس سال اور ہر سال حج پر جانے کی دعا کرو۔

البتہ یہ اہم نکتہ بھی ذہن نشین رہے کہ اس کے اہم اخلاق وآداب اور مسائل سے مکمل آگاہی بہر حال ضروری ہے۔ مسلسل چالیس سال سے حج پر جانے والے صحابی امام جعفرِ صادق علیہ السلام نے جب مسائل حج کی دریافتگی میں جدّت اور نوآوری جواب میں پائی تو دریافت کیا سیدی و مولای! اے میرے آقا ومولا! آپ حج میں ہر سال نئی نئی باتیں بتاتے ہیں تو فوراً امام نے فرمایا: تم اس چالیس سال کے سفر میں اس گھر کو کیا سمجھ سکو گے یہ وہ گھر ہے کہ آدم علیہ السلام کی خلقت سے دو ہزار سال پہلے بھی یہاں طواف وحج اور عظمتوں کا ایک سلسلہ برقرار رہا ہے۔

شاید مسائل حج کے دقیق وعمیق ہونے کے منجملہ رازوں میں سے ایک راز یہ بھی ہو کہ تمام عبادتوں کے مقابلے میں زندگی میں صرف ایک بار یہ عظیم عبادت واجب قرار پائی اور اس کی مکمل صحیح ادائیگی کے بعد انسان اپنے نام نامی کے ساتھ ہمیشہ

حاجی کہلاتا رہتا ہے۔

یہ سفر ایک عام سفر نہیں ہے اس کے بہت سے آثار اور فوائد ہیں یہاں قدم قدم پر ربوبیت والوہیت کا مظہر ہے مزید نبوتوں کے سلسلے ہیں ولایت وامامت کے جلوے اوران سے عہد و پیمان کی باتیں ہیں یہاں تو اسلامی قدرت وطاقت کا بھی مظاہرہ ہے، اخوت وبرادری کا درس ہے تو عالمِ سیاست پر گہری نظر رکھنے کی گفتگو اور دشمنان اسلام اور عالم استکبار سے برائت وبیزاری کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔

یہ نکتہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حج کے فائدہ کو کسی ایک دینی جہت میں محدود نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ قرآن کریم کا یہ واضح اعلان موجود ہے:

﴿و اذّن فی الناس بالحج یاتوک رجالا و علی کل ضامر یاتین من کل فجّ عمیق لیشھدوا منافع لھم﴾ اور لوگوں کے درمیان حج کا اعلان کردو کہ لوگ تمہاری طرف پیدل اور لاغر سواریوں پر دور دراز علاقوں سے سوار ہوکر آئیں تاکہ اپنے منافع کا مشاہدہ کریں۔

علمائے تفسیر کے اقوال کے مطابق یہ منافع ایک حاجی کے حق میں ملکی، اخلاقی، علمی، اجتماعی، انفرادی، سماجی، اقتصادی اور سیاسی بھی ہیں جسے امام علی رضا علیہ السلام نے بھی اس آیت کے ذیل میں صراحت کے ساتھ بیان فرمایا۔

غالباً یہی وجہ تھی کہ ہر ایک امامؑ نے اپنے دورِ حیات میں اس عظیم فریضہ سے غافل نہ ہونے کے لیے اپنی وصیتوں تک میں ذکر کیا جیسا کہ امام علی علیہ السلام نے فرمایا:

''اللّٰہ اللّٰہ فی بیت ربکم لا تخلوہ ما بقیتم فانہ ان ترک لم تناظروا ''اللہ سے ڈرو اپنے پروردگار کے گھر کے بارے میں کہ جب تک زندہ رہو اسے خالی نہ ہونے دو کہ اگر اسے چھوڑ دیا تو تم دیکھنے کے لائق بھی نہ رہ جاؤ گے۔

یا امام جعفر صادق علیہ السلام نے حج کی اہمیت اور فائدہ کو ہشام ابن حکم کے سوال کے جواب میں بیان فرمایا: ''...اور اللہ نے دین و دنیا کی مصلحت کے پیش نظر ان کے لیے احکام مقرر کیے ان میں مشرق و مغرب سے حج کے لیے آنے والوں پر اسے واجب قرار دیا تاکہ مسلمان ایک دوسرے کو اچھی طرح پہچان لیں اور ان کے حالات سے باخبر ہوں ہر گروہ ایک شہر سے دوسرے شہر میں تجارتی سامان منتقل کرے...'' وغیرہ وغیرہ۔

آخر میں ہم ان تمام حضرات کے بے حد ممنون کرم ہیں جنہوں نے اس کتاب کے منظر عام پر آنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا بالخصوص مترجم کتاب ہذا حضرت حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا فیروز حیدر فیضی صاحب اور اس ادارہ کی سرزمین قم (ایران) اور پاکستان میں خالصانہ نمائندگی کرنے والے عزیز القدر حجۃ الاسلام والمسلمین سید بابر حسین کاظمی صاحب کے صمیم قلب سے ممنون و مشکور ہیں۔

والسلام

سید علی رضا رضوی

مؤسس و سرپرست اعلیٰ موسسہ المنجی و مسئول مرکز اہل بیت

لندن۔ انگلستان

مقدمہ (نظارتی کمیٹی)

یہ کتاب جو آپ کے پیش نظر ہے استاد شہید آیت اللہ مرتضیٰ مطہری رحمۃ اللہ علیہ کی یادداشتوں کا خلاصہ ہے کہ جس میں اس بین الاقوامی عالمی کانفرنس کے مقابلے میں حج اور مسلمانوں کی خطیر و عظیم ذمہ داریوں اور وظائف کے متعلق بحث کی گئی ہے اور یہ کتاب بھی عالم فرزانہ متفکر زمانہ کے دوسرے آثار کی طرح سبق آموز اور راہ گشا ہوگی۔

مذکورہ تقریر کو (ابراہیم علیہ السلام سربراہ توحید) کے عنوان سے تیسری طباعت میں اضافہ کیا گیا۔ اس کتاب کی (فارسی) پہلی طباعت و نشر اسفند ۱۳۸۰ ش میں ہوئی۔

یہ یادداشتیں اس جہت سے بطور مستقل زیور طبع سے آراستہ ہورہی ہیں جو استاد شہید مطہریؒ کے آثار کے شائقین اور علاقہ مند افراد کی طرف سے بارہا فرمائش ہوئی کہ کتنا بہتر ہوتا کہ ان کے حج سے متعلق مکتوبات ایک کتابی شکل میں چھپ کر اس کے شائقین بالخصوص بیت اللہ الحرام کے حجاج کے سپرد کیے جائیں۔

ظاہری بات ہے کہ اگر استاد شہید مطہریؒ حج کے متعلق کسی کتاب کی تالیف کا قصد رکھتے ہوتے تو موجودہ کتاب سے زیادہ کامل اور غنی ہوتی جب کہ یہ کتاب (حج) صرف آپ کی یادداشتوں کا خلاصہ ہے۔ لیکن افسوس کہ جس زمانہ میں آپ کی بابرکت ذات کی زیادہ ضرورت درپیش تھی ان منافقین نے اس انقلاب اسلامی کی شمع فروزاں کو گل کر دیا۔

قابل ذکر ہے کہ اس کتاب کے تیسرے حصے (کعبہ اور اس کا اجتماعی کردار) کی آیات و روایات کا ترجمہ فاضل محترم جناب آقای حسین استادولی صاحب کے ذریعہ پایۂ تکمیل تک پہنچا کہ ان کے ہم صمیم قلب سے شکرگزار اور قدرداں ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اسلامی معارف کی نشر و اشاعت کے مرحلہ میں توفیق اور خالصانہ خدمتِ خلق کے درخواست گزار ہیں اور اس بات کی امید رکھتے ہیں کہ یہ ناچیز خدمت ملتِ ایران [وجہان] کے خاطر خواہ استقبال کا باعث قرار پائے۔

مہر ۱۳۸۴ ش

بمطابق رمضان ۱۴۲۶ ھ

استاد شہید مطہریؒ کے آثار کی نشر و اشاعت کی نظارتی کمیٹی

اسلامی تفاہمات

پہلا سبق: حسن تفاہم

اس سبق کا موضوع ''اسلامی تفاہمات'' ہے۔ حسن تفاہم یعنی ایک دوسرے کو نیک سمجھنا، سوء تفاہم یعنی ایک دوسرے کو برا سمجھنا۔

واضح سی بات ہے کہ نیک سمجھنا اس طرح ہے کہ افراد ایک دوسرے کو جس طرح وہ ہیں ویسا ہی سمجھیں اور برا سمجھنا اس طرح ہے کہ ایک دوسرے کو جس طرح ہیں ویسا نہ سمجھیں بلکہ ایک دوسرے کے متعلق ایک قسم کے توہمات کا شکار ہو گئے ہوں، البتہ یہ کلمہ ایسے موقع پر استعمال ہوتا ہے کہ جس مقام پر ایک دوسرے کے متعلق سوء ظن جیسے توہمات میں مبتلا ہوں یعنی ''بدی'' کے متعلق واقع ہو۔ لیکن اگر خوبیوں اور غلط حسن ظن جیسی قسم کے متعلق ہو تو سوء تفاہم نہیں کہا جائے گا، یعنی اگر دو شخص ایک

دوسرے کے متعلق غلط عقیدہ پیدا کرلیں تو اس مقام پر یہ نہیں کہا جائے گا کہ ان دونوں نے آپس میں سوء تفاہم پیدا کرلیا ہے۔

سوء تفاہم ہر ایک مقام اور ہر ایک شخص کی بہ نسبت برا ہے، لیکن ضلالت و گمراہی کا باعث ہے۔ اگر ہم فرض کریں کہ دو شخص ہر لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد ہیں مثلاً ایک شخص خدا پرست ہے اور دوسرا مادہ پرست، پھر بھی بہتر ہے کہ ان کے درمیان حسن تفاہم برقرار ہو اور ایک دوسرے کو جس طرح ہیں درک کریں نہ یہ کہ ہر ایک دوسرے کی بہ نسبت سوء ظن اور ایک قسم کے غلط تصورات رکھتے ہوں۔

مسلمانوں کے منجملہ امتحانات میں سے ایک یہ ہے کہ اگرچہ پہلے سے بعض اعتقادات کے لحاظ سے تفرقہ پیدا ہو گیا ہے اور ان کے درمیان فرقے اور مذاہب وجود میں آگئے ہیں (کہ اسلامی فرقے کی تاریخ کے درس میں پڑھیں گے) ایک دوسرے کی بہ نسبت بہت زیادہ سوء تفاہم کا شکار ہو گئے ہیں، یعنی اگرچہ پہلے سے ایک دوسرے کے متعلق بعض اعتقادی اختلافات کی وجہ سے بے جا توہمات کا شکار ہو گئے ہیں۔ ماضی اور حال میں ایسے اختلافات کی آگ بھڑکانے والے موجود تھے اور ہیں بھی کہ جن کی تمام سعی و کوشش یہ تھی اور ہے کہ مسلمانوں کے درمیان ایک دوسرے کے متعلق بدبینی میں اضافہ کریں۔ وہ خطرہ جو بے جا سوء تفاہم کی وجہ سے ایک دوسرے کو بہتر محسوس نہ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کے سامنے ہے وہ مذہبی اختلافات سے کہیں زیادہ پیش نظر ہے۔

تمام مسلمان مذہبی اختلافات کی نظر سے ایسے نہیں ہیں کہ وحدت و یگانگی نہ رکھ سکیں ایک دوسرے کے بھائی اور مصداقِ آیہ کریمہ ﴿انما المومنون اخوۃ﴾ ''مومنین تو آپس میں بھائی بھائی ہیں'' نہ ہو سکیں اس لیے کہ جس خدا کی سب عبادت کرتے ہیں ایک ہی ہے سب ہی کہتے ہیں:''لا الہ الا اللّٰہ'' ''کوئی خدا نہیں ہے سوائے اللہ کے'' سب ہی محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں اور نبوت کا انہیں کے ذریعہ خاتمہ جانتے ہیں اور ان کے دین کو خاتم الادیان کے عنوان سے پہچانتے ہیں سب ہی قرآن کو اپنی مقدس آسمانی کتاب جانتے ہیں اور اس کی تلاوت کرتے ہیں اور اسے تمام مسلمان اپنا بنیادی دستور العمل سمجھتے ہیں سب ہی ایک ہی قبلے کی طرف نماز پڑھتے ہیں اور اذان کے نام پر ایک ہی آواز بلند کرتے ہیں سب ہی سال کے ایک معین مہینہ ماہ رمضان المبارک میں روزے رکھتے ہیں، ہر ایک یوم الفطر اور روز قربان کو اپنی عید شمار کرتے ہیں، سب ہی ایک ہی طرح اعمالِ حج انجام دیتے ہیں، ایک ساتھ حرم خدا میں جمع ہوتے ہیں، یہاں تک کہ سب ہی خاندان نبوت کو دوست رکھتے ہیں اور ان کا احترام کرتے ہیں۔ یہی امور ان کے دلوں کو آپس میں ارتباط دینے کے لیے کافی ہیں مزید ان کو برادری اور اسلامی اخوت کے احساسات کو برانگیختہ کرنے کے لیے بھی۔ لیکن......

سوء تفاہمات سے [خدا کی] امان، ان غلط تصورات وتوہمات سے امان جو مختلف فرقے ایک دوسرے کے متعلق رکھتے ہیں اور ان عوامل سے بھی امان جو مسلمانوں

کے روابط کو مزید کشیدگی اور تیرگی کے علاوہ کچھ اور نہیں کرتے۔

ہم تمام فرقوں کو ختم کرنے کے منصوبہ کے درپے نہیں ہیں اور یہ کہ سب اصل اسلام کی طرف پلٹ آئیں، اس لیے کہ یہ ایک ایسا فعل ہے کہ سب سے پہلے یہ کہ ہمارے بس کا نہیں ہے دوسرے یہ کہ اسلامی وحدت ویگانگی اس بات پر موقوف نہیں ہے کہ دوسرے فرقے اور مذاہب ہمارے درمیان سے چلے جائیں۔ فرقے اور مذاہب میں اختلافی جہات اتنی زیادہ نہیں کہ اسلامی اخوت سے مانع ہو جائیں اور مشترک جہات اتنی زیادہ اور قوی ہیں کہ انہیں آپس میں ملا سکتی ہیں۔

ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ یہ دعویٰ کریں کہ مسلمانوں کے تمام اختلافات سوء تفاہم کی نوعیت سے ہیں۔ نہیں ہم ایسا دعویٰ بھی نہیں کرتے کہ تمام اختلافات سوءِ تفاہم کی بنیاد پر نہیں ہیں، اگر بنا اس بات پر ہے کہ وہ حل کیے جائیں تو سوءِ تفاہم کے علاوہ دوسرے طریقہ سے حل ہوں۔ ہم جس چیز کے درپے ہیں دوسری تعبیر میں ہمارے اس سبق کا مقصد یہ ہے کہ جو رخنے ایک دوسرے کو بہتر محسوس نہ کرنے کے باعث واقع ہوئے ہیں ہمارے درمیان سے ختم ہو جائیں۔ ہمارا ہدف یہ ہے کہ اسلامی فرقے اور مذاہب ایک دوسرے کو اسی طرح پہچانیں جس طرح وہ ہیں، اپنے خام خیالی اور جھوٹے تصورات کو خود سے دوسرے بھائیوں کی بہ نسبت دور کریں۔ ہمیں چاہیے کہ اس سلسلہ میں چند حصوں میں بحث کریں:

۱۔ اسلام کے منجملہ اہداف میں سے جو اس نے مسلمانوں سے مطالبہ کیا ہے وہ

مسلمانوں کا باہمی اتحاد و اتفاق ہے۔

۲۔فریضۂ حج کے منجملہ فلسفوں میں سے ایک فلسفہ مسلمانوں کے درمیان مزید اتحاد و اتفاق اور تفاہم کا استوار ہونا ہے۔

۳۔انواع واقسام کے توہمات اور سوء تفاہم کا تجزیہ و تحلیل کرنا جو دوسرے افراد ہم شیعوں بالخصوص ایرانیوں سے متعلق رکھتے ہیں۔

۴۔اِس طرف سے جو غیر شیعہ برادران کی بہ نسبت تمام سوء تفاہم وجود میں آئے ان کا تجزیہ و تحلیل کرنا۔

۵۔تمام سوءِ تفاہم کو کم اور ختم کرنے کے عملی طریقے۔

لیکن پہلی قسم: قرآن کریم اور احادیث نبوی نیز ائمہ اطہار کی موجودہ حدیثوں میں بھی مسلمانوں کی وحدت و یگانگی محفوظ رہنے کے لیے بہت زیادہ تاکید ہوئی ہے کہ پہلے ہم قرآن کریم سے آغاز کرتے ہیں:

الف: سورۂ آل عمران آیت نمبر ۱۰۳ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿و اعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً و لا تفرّقوا﴾ اور تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ پیدا کرو' اس آیت نے "باہم ہونے" کے موضوع کو کمال صراحت کے ساتھ اور باہمی الٰہی قوانین کو نافذ کرنے اور پراکندہ و منتشر طور پر اجرانہ کرنے کی طرف متوجہ کیا ہے۔ آیت کے مفہوم پر مختصر توجہ سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ اس آسمانی کتاب کی عنایت و توجہ اس بات کی طرف مرکوز ہے کہ مسلمان حضرات

متفرق اور پراکندہ نہ ہوں۔

ب: سورۂ آل عمران آیت نمبر ۱۰۵ میں جو اس آیت کے ذیل میں ہے (ایک آیت کے فاصلے کے بعد) فرماتا ہے: ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ ''اور خبردار! تم لوگ ان دوسرے (تمام ادیان کے پیروؤں) کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے تفرقہ پیدا کیا اور واضح نشانیوں کے آجانے کے بعد بھی اختلاف کیا کہ ان کے لیے عذاب عظیم ہے''۔

اس آیت کا مفہوم بھی واضح ہے۔ یہ آیت مخصوصاً مذہبی تفرقے یعنی فرقہ فرقہ ہونے اور مذاہب کے وجود میں آنے کی طرف اشارہ کر رہی ہے، اس لیے کہ اس قسم کے اختلافات دوسری نوعیت کے اختلاف سے زیادہ خطرناک ہیں۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ آیت نمبر ۱۰۴ جو ان دونوں آیات کے درمیان واقع ہوئی ہے یہ ہے: ﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ ''اور تم میں سے ایک گروہ (یا تم ایک ایسا گروہ ہو جاؤ) تو ایسا ہونا چاہیے جو خیر کی دعوت دے، نیکیوں کا حکم دے، برائیوں سے منع کرے اور یہی لوگ نجات یافتہ ہیں''۔

آپ ملاحظہ فرمائیں یہ آیت جو دو آیتوں کے درمیان واقع ہوئی ہے وہ آیت خیر کی دعوت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر والی آیت ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ قرآن

کریم ہمیں ہمیشہ خیر وصلاح کی طرف دعوت دینے والے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ اس وحدت و یگانگی کو محفوظ رکھنے کا علم وفہم دینا چاہتا ہے۔ اگر یہ اسلامی ستون یعنی اصل اور قاعدۂ دعوت خیر اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعہ رہنمائی خواب غفلت کا شکار ہو جائے تو اسلامی وحدت اور مسلمانوں کا اتحاد بھی ختم ہو جائے گا۔

ہم مسلمانوں کے پاس امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی رہنمائی اور دعوت خیر جیسی تعلیم موجود ہے لیکن اسلامی اہداف کو نہیں پہچانتے مخصوصاً بنیادی عظیم اہداف اور اسلامی اصولوں سے بے خبر ہیں، اسلام کے فقط ایک قسم کے ظاہری و سطحی قوانین نہ کہ اس کے باطنی اور عمیق دستورات سے آشنائی رکھتے ہیں، جس وقت بھی دعوت خیر اور رہنمائی کی فکر میں پڑتے ہیں عام سادہ لوح افراد تو اخلاقی اور عبادی مسائل کے حدود سے آگے نہیں بڑھتے جب کہ اسلام کے منجملہ عظیم اہداف میں سے بلکہ اسلام کا سب سے بڑا ہدف مسلمانوں کے امور میں عملی وحدت اور مسلمانوں کا اتحاد و اتفاق ہے۔

سب سے پہلا مبلغین اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انجام دینے والوں کا وظیفہ وفریضہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی وحدت کی راہ تلاش کریں اسی راستہ میں سعی و کوشش کریں جو کچھ اس آیۂ کریمہ میں نازل ہوا ہے۔

ہمیں امید ہے کہ یہ سبق اس آیۂ کریمہ کا حقیقی مصداق قرار پائے اور دعوت خیر کے لیے ایک واقعی قدم شمار ہو۔

مشق:

۱۔ سوء تفاہم کا معنی کیا ہے؟

۲۔ وہ مشترک اصول جن میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف نہیں پایا جاتا کیا ہیں؟

۳۔ اس سبق کا مقصد کیا ہے؟

۴۔ مجموعی طور پر کتنے حصوں میں بحث کریں؟

۵۔ سورۂ آل عمران میں مسلمانوں کی وحدت کے متعلق کتنی آیات موجود ہیں۔

۶۔ وہ آیت جو آیات اتحاد کے درمیان واقع ہوئی ہے اس کا مفہوم کیا ہے اور اس مقام پر کس ہدف کے تحت واقع ہوئی ہے؟

دوسرا سبق: آیات وروایات

پہلے سبق میں یہاں تک گفتگو ہوئی کہ اسلام مسلمانوں کے اتحاد واتفاق کی طرف بساط سے زیادہ عنایت وتوجہ رکھتا ہے اور اسلامی وحدت، اسلام کے منجملہ عظیم اہداف میں سے ایک ہدف شمار ہوتی ہے اور مسلمانوں بالخصوص مبلغین، داعیان خیر اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر انجام دینے والوں کو اس عظیم ہدف کے محقق ہونے کی راہ میں سعی وکوشش کرنی چاہیے اور کم سے کم اختلافات کی آگ مشتعل نہ کریں۔

گزشتہ سبق میں ہم نے قرآن سے دو آیتیں ذکر کیں۔اب ان آیات کا تکملہ:

ج: ﴿أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ﴾ (سورۂ شوریٰ، آیت ۱۳) ''دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ پیدا

ہونے پائے مشرکین کو وہ بات سخت گراں گزرتی ہے جس کی تم انہیں دعوت دے رہے ہو''۔

یہ آیۂ کریمہ ہمیں یہ سمجھانا چاہتی ہے چونکہ مخالفین اسلام اس اہداف کے مخالف ہیں وہ ان کے درمیان پراکندگی وانتشار کے آرزومند ہیں اور مسلمانوں کی وحدت سے خوف زدہ رہتے ہیں، یہ وہی افراد ہیں جو اختلاف وتفرقہ کی آگ اور مسلمانوں کی وحدت کے لیے موانع ایجاد کرتے ہیں۔

د: ﴿ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ ﴾ (سورہ انفال، آیت ۴۶)

''اور آپس میں اختلاف نہ کرو کہ کمزور پڑ جاؤ اور تمہاری ہوا بگڑ جائے''۔ یہ آیت مسلمانوں کے اتحاد کو قوت وطاقت اور شان وشوکت جیسی خاصیت سے متعارف کراتی ہے، جیسا کہ فرماتا ہے: اگر تمہارے درمیان اختلاف واقع ہوجائے تو تمہاری شان وشوکت قوت وطاقت جیسی خاصیتیں ختم ہوجائیں گی۔

اختلافات کی دو قسمیں ہیں: بعض اختلافات کا ربط افراد کے وقتی منافع کے متضاد ہونے سے ہے، لیکن بعض اختلافات اعتقادی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ اس طرح کے اختلافات حیرت انگیز خطرناک ہوتے ہیں، نیز یہی اختلافات ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتے ہیں اور بہت سی بحث وگفتگو اور کتب ورسائل وجود میں آجاتے ہیں جو صدیوں جاری رہتے ہیں اور جتنا بھی زمانہ گزر جائے ان کے اسباب وعلل میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور رخنے زیادہ عمیق ہوتے جاتے ہیں۔

ھ: ﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (آل عمران، آیت ۲۰۰) ''یہ آیت سورہ آل عمران کی آخری آیت ہے۔ اے ایمان والو! صبر کرو۔ صبر کی ایک دوسرے کو تعلیم دو جہاد کے لیے تیاری کرو اور اللہ سے ڈرو شاید تم فلاح یافتہ اور کامیاب ہو جاؤ''۔

لیکن احادیث:

ا۔ شیعہ و سنی نے ایک حدیث رسول اکرم ﷺ سے نقل کی ہے جس کا مضمون یہ ہے: ''ثلاث لا یغلّ علیھن قلب امری مسلم: اخلاص العمل للّٰہ والنصیحۃ لائمۃ المسلمین و اللزوم لجماعتھم''(۱)

یعنی تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے متعلق کسی مسلمان کا دل لغزش و خیانت نہیں کرتا؛ کسی عمل کو صرف خوشنودیِ خدا کے لیے بجالانا، مسلمانوں کے لیے خیر خواہی انجام دینا اور مسلمانوں کے ہمراہ ہونا۔

یقیناً یہ جملے ان کلمات کا جز ہیں جو رسول اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع میں لوگوں کے درمیان بیان فرمائے۔ رسول اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع میں مختلف مواقف و مواقع پر لوگوں کے لیے بیان کیا جیسے: مسجد الحرام میں، عرفات میں، مسجد خیف (منیٰ) میں، غدیر خم میں۔ مذکورہ جملے کو مسجد خیف جو منیٰ میں واقع ہے ذکر فرمایا ہے۔

---

(۱)۔ کافی، ج ۱، ص ۴۰۳۔

۲۔صاحب کافی رقم طراز ہیں:

معاویہ ابن وہب کا بیان ہے: میں نے امام صادق علیہ السلام سے دریافت کیا: ہم (یعنی شیعوں) کو کس طرح دوسروں (اہل سنت) کے ساتھ معاشرت وزندگی گزارنی چاہیے، ہمارا ان کے ساتھ کیا فریضہ ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: دیکھیں کہ ائمہ ان کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں اپنے ائمہؑ کی طرح ان کے ساتھ برتاؤ کرو۔ خدا کی قسم! تمہارے ائمہؑ ان کے بیماروں کی عیادت کرتے ہیں، ان کے جنازوں کی تشییع کرتے ہیں، ان کے لیے گواہی دیتے ہیں۔(۱)

اس سلسلہ میں اور بھی اسی مضمون کی احادیث موجود ہیں۔

انہیں میں نے اس لیے ذکر کیا کہ ہمیں معلوم ہوسکے کہ وحدت اسلامی منجملہ اہداف میں سے ایک ہدف ہے اور بہ حد ممکن اس ہدف کے محقق ہونے کے لیے کوشاں رہیں تاکہ مصداق ﴿ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر﴾(۲) ''تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو خیر کی طرف دعوت دے'' قرار پائیں۔ اس ہدف ومقصد کا محقق ہونا کسی صورت میں بھی اس بات کا لازمہ نہیں ہے کہ ہم اپنے بعض مسلّم اصول یا فروع سے دست بردار ہوجائیں۔

---

(۱)۔کافی، ج۲، ص۶۳۶ (۲)۔سورۂ آل عمران، آیت ۱۰۴

لیکن دوسرا حصہ: ہم ملاحظہ کریں کہ کیا مسلمانوں کے درمیان وحدت اور اسلامی فرقوں کے درمیان حسن تفاہم حج کے مطالبات ومقاصد کا جز ہے یا نہیں؟

جو شخص اسلامی تعلیمات سے مختصر آشنائی رکھتا ہوگا اس سلسلہ میں تردید نہیں کرے گا کہ اسلام نے مختلف عناوین کے ذریعہ حکم دیا ہے کہ تمام مسلمان آپس میں جمع ہوں اور ایک دوسرے سے نزدیک سے ملاقات کریں ایک دوسرے کے حالات سے مطلع ہوں تاکہ ان کے قلوب ایک دوسرے سے نزدیک ہوں اور اختلاف کی حائل دیواروں کو ختم کریں اور تمام رخنے پُر ہو جائیں۔

ہم سب کو معلوم ہے کہ اسلامی نصوص کے مطابق عبادت خلوت میں جتنا زیادہ ہو سکے اور دوسروں کی نگاہوں سے دور ہو کر انجام پائے تو وہ خلوص سے زیادہ نزدیک ہے۔

اس کے باوجود اسلام نے بطور تاکید حکم دیا ہے کہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جائے اور اس عمل کا اجر وثواب نماز فرادیٰ کے ثواب کے تصور سے کہیں بالاتر قرار پایا ہے، کیوں؟ اس لیے کہ جماعت کا ایک اثر اور فائدہ یہ ہے کہ تمام مسلمان ایک دوسرے سے باخبر ہوتے ہیں اور ان کے دل ایک دوسرے سے نزدیک ہوتے ہیں۔

ہفتہ میں ایک مرتبہ نماز جمعہ قرار دیا ہے اور یہ حکم معین کیا ہے کہ ایک فرسخ کے درمیان تمام بسنے والوں پر واجب ہے کہ شرکت کریں۔ نماز جمعہ میں (جو ہی روز

جمعہ کی نماز ظہر ہے مگر خاص آداب واہتمام کے ساتھ) اس کی دو رکعت کے بجائے دو خطبہ قرار دیا ہے کہ امام جماعت اس میں مواعظ ونصائح کے علاوہ تمام عالم اسلام کے گوشہ وکنار کی خبروں اور حالات سے لوگوں کو باخبر اوران کے عمومی مصالح ومنافع کوان کے درمیان بیان کرتا ہے۔

نماز جماعت روزانہ کا ایک اجتماع ہے اور نماز جمعہ ایک عمومی ترین ہفتہ وار اجتماع ہے۔ نماز عید الفطر، نماز عید قربان دو اجتماعی عبادت ہیں جو بطور سالانہ منعقد ہوتی ہیں تمام اسلامی اجتماعات سے زیادہ اہم اور عمومی وطولانی اور متنوع حج کا پروگرام ہے کہ حقیقت میں اسے ''عمومی اسلامی کانفرنس'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ہر شخص پر واجب ہے کہ اگر قدرت رکھتا ہو تو کم از کم عمر میں ایک مرتبہ اس عظیم اجتماع میں شرکت کرے تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ معین زمانہ اور مقرر دنوں میں معین اعمال انجام دیں۔ سب کو چاہیے کہ ان ایام میں ایک قسم کے لباس زیب تن کریں۔ اور ایک ہی قسم کا کلام زبان پر جاری کریں۔

یہ عظیم اسلامی عمل کہ جس کے اجرا کرنے میں جو تمام نقائص پائے جاتے ہیں اس کے باوجود دنیا میں بے مثال ہے، ایک ہی زمانہ میں مدنظر رکھا گیا ہے اور ایک ہی جگہ، سب کو چاہیے کہ ان اعمال کو ذی الحجہ کے معین دنوں میں انجام دیں نہ کہ دوسرے ایام میں یا دوسرے مہینوں میں، اور سب کو چاہیے کہ ان اعمال کو معین سرزمین پر انجام دیں یہ وہی سرزمین ہے کہ اس مقام پر پہلی مرتبہ خدائے یگانہ کی

عبادت کے لیے ایک گھر بنایا گیا ہے، کیوں؟ کیا صرف اس لیے ہے کہ صاحبان توحید اور اہل توحید کا محل اجتماع قرار پائے؟ یا صرف اس لیے ہے کہ اہل توحید اپنے لیے وہاں رنگ توحید و وحدت اپنائیں؟

کیا خوب کہا ہے علامہ فقید کاشف الغطاء نے: "بنی الاسلام علی کلمتین: کلمة التوحید و توحید الکلمة: یعنی اسلام دو اصل و اساس اور دو فکر پر بنایا گیا ہے: ایک اصل: خدائے یگانہ کی عبادت، دوسری اصل: اسلامی معاشرہ کا اتحاد و اتفاق ہے۔

مشق:

۱۔ وہ کون سے افراد ہیں جو مسلمانوں کے درمیان اختلاف وتفرقہ کے آرزومند ہیں؟

۲۔ وہ تین چیزیں کیا ہیں کہ جن کے لیے مسلمانوں کا دل لغزش نہیں کر سکتا؟

۳۔ نماز جماعت کا فلسفہ کیا ہے؟

۴۔ نماز جمعہ کا فلسفہ کیا ہے؟

۵۔ سورۂ آل عمران کی آخری آیت کون سی ہے اور کیا حکم دیا ہے؟

تیسرا سبق: مسلمانوں کے تفاہم اور وحدت میں حج کا کردار

گزشتہ سبق میں ہم نے یہ بات کہی کہ عملِ حج کی کیفیت کے متعلق مختصر مطالعہ ہمیں یہ سمجھاتا ہے کہ مقدس شارع اسلام کا حج کے تشریع (قانون گزاری) کا مقصد یہ تھا کہ مسلمین ایک دوسرے سے زیادہ نزدیک ہوں اور ایسا ذریعہ فراہم ہو کہ تمام گزشتہ عالم کے مسلمان افراد خواہ ناخواہ ایک دوسرے کی ایک مرکز میں ملاقات کریں اور ان کے درمیان رابطہ زیادہ مستحکم ہو۔

ممکن ہے بعض افراد گمان کریں کہ یہ ایسے فرضیے ہیں جو ہمارے ہی خود ساختہ و پرداختہ ہیں، شارع اسلام کا ایسا کوئی مقصود و مطلوب نہیں ہے۔ اس لحاظ سے ضروری ہے کہ اسلامی نصوص کو ذکر کریں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ ایسے مطالب ہیں جسے خود

اسلام نے چودہ سو سال قبل بیان کیا ہے۔

ا۔ پیغمبر اکرم ﷺ کا مشہور و معروف جملہ ہے جو انہوں نے مسلمانوں کی وحدت و مساوات اور امتیازات کو ملغی کرنے کے متعلق بیان فرمایا جس کا مضمون یہ ہے:

"ایها الناس ان ربکم واحد و اباکم واحد کلکم لآدم و آدم من تراب، ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقیکم، ولیس لعربی علی عجمی فضل الّا بالتقویٰ"(۱)

اے لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے، تمہارے باپ ایک ہیں، تم سب فرزندِ آدم ہو اور آدم خاک سے ہیں، بے شک تم میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے عرب کو عجم پر فضیلت حاصل نہیں ہے مگر تقویٰ کے ذریعہ۔

یہ جملے وحدت و یگانگی اور ہم بستگی کی عام دعوت کے لیے ہیں، کہاں، کس زمانہ میں اور کیسی موقعیت میں یہ بیان فرمائے؟

سرزمین مکہ و منیٰ اور عرفات میں، عمل حج انجام دیتے وقت، اپنے آخری حج کے موقع پر جو حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔

کیوں اس مقام کو اس اعلان کے لیے منتخب کیا؟ اس لیے کہ عرصۂ قیامت تک جو اعمال حج برپا ہیں، لوگ آئیں اور اپنے عظیم پیغمبر کی وصیتوں کو یاد کریں اس سے

---

(۱)۔ تحف العقول، ص ۳۴۔

سے آگاہ ہوں اور تفرقہ واختلاف میں نہ پڑیں، یہاں دوستی اور برادری کے عنوان سے ایک دوسرے سے صمیمیت کے ساتھ ہاتھ ملائیں اختلاف کے موانع کو ختم کریں مادی و معنوی عہد و پیمان اور مبادلات کے لیے آپس میں تحریری فرمان (AGREEMENT) برقرار کریں۔

یہ کہ اگر مسلمان افراد ظاہری صورت میں مکہ میں اجتماع کریں اور ان کے قلوب ایک دوسرے کی بہ نسبت کینہ وعداوت سے بھرے ہوں، تو اللہ تعالیٰ کے اس کلام کے مصداق ہوں گے: ﴿تحسبهم جميعاً و قلوبهم شتى﴾ (۱) اور تم یہ خیال کرتے ہو کہ یہ سب متحد ہیں درحالیکہ ان کے دلوں میں سخت تفرقہ ہے اور حضرت علیؑ کے کلام کے مصداق واقع ہوں: ﴿ايها الناس المجتمعة ابدانهم المختلفة اهـوائهـم﴾ (۲) اے وہ لوگو! کہ جن کے بدن یکجا جمع ہوئے ہیں لیکن ان کی آرزوئیں اور اہداف ایک دوسرے سے جدا ہیں۔

اس طرح کا اجتماع اسلام کا مقصد نہیں ہے، حج اس قسم کے اجتماع کے لیے نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اس طرح کے اجتماع پر اپنی نگاہِ رحمت نہیں ڈالتا۔

۲۔ امام صادق علیہ السلام نے ایک مشہور و معروف اور مفصل حدیث میں جو حدیثی کتابوں میں محفوظ ہے فرماتے ہیں: ''فجعل فيه الاجتماع من الشرق و الغرب ليتعارفوا''

---

(۱)۔ سورہ حشر، آیت ۱۴۔ (۲)۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۲۹۔

دنیا میں رائج شدہ منجملہ پسندیدہ امور میں سے ایک یہ ہے کہ وہ افراد جو ایک بزم یا انجمن میں پہلی مرتبہ آپس میں آشنا ہوتے ہیں ایک دوسرے کے ویزیٹنگ (ایڈریس) کارڈ کا مبادلہ کرتے ہیں ایک دوسرے کے امور سے آگاہ ہوتے ہیں، اپنی تالیفات یا اپنے پسندیدہ آثار و کتب کو دوسرے کے لیے ارسال کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہی امور روابط کو استوار کرتے ہیں۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے چودہ صدیوں پہلے یہ زمینہ فراہم کیا ہے اور نصیحت کی ہے کہ اس مقصد کے لیے حج کے عظیم اجتماع سے استفادہ کریں۔ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: اسلام نے اس طرح کے اجتماع کو مقرر کیا ہے تا کہ عالم مشرق و مغرب سے لوگ جمع ہوں اور اس مقام پر ایک دوسرے سے متعارف ہوں اور دوست قرار پائیں۔

یہ ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنا ویزیٹنگ کارڈ چھپوائیں اور مختلف زبانوں میں (کہ منجملہ ان میں سے ایک عربی زبان ہے) اپنا ایڈریس اور مشغلہ تحریر کریں۔

متعدد موقعوں پر دوسرے ممالک کے افراد سے ملاقات کرتے وقت اپنا ویزیٹنگ کارڈ انہیں عطا کریں اور ان کے بھی کارڈ حاصل کریں اور یہی تعارف کا ذریعہ قرار دیں کہ بعد میں ایک دوسرے کو خط و کتابت کریں، کتاب کا تبادلہ کریں، انہیں اپنے ملک کے دینی حالات سے باخبر کریں اور ان کے ملک کے مسلمانوں کی کیفیت اور

دینی حالات سے آگاہ ہوں۔ وہ تبدیلیاں یا تحریکیں جو اسلام عزیز کے نفع یا ضرر میں ایجاد ہو رہی ہیں مطلع ہوں، تحولات اور اسلامی فائدہ مند تحریکوں سے ہم آہنگی اور رابطہ پیدا کریں۔

۳۔ حضرت علی علیہ السلام حج کے متعلق اپنے کلمات میں بعض اسلامی قوانین کے فلسفہ کے بیان کے ضمن میں فرماتے ہیں: ''والحج تقوية للدين'' یا ''تقربة للدين ''(۱) یعنی فلسفۂ حج تقویت دین ہے (یا فلسفۂ حج دین کے پیروؤں کو ایک دوسرے سے نزدیک کرنا ہے۔) بہر حال دونوں جملے کا مقصد ایک ہے۔ اگر کلام کا مفہوم یہ ہو کہ فلسفۂ حج تقویتِ دین ہے، تو مقصد یہ ہے کہ حج کے اجتماع سے مسلمانوں کے روابط زیادہ مستحکم ہوتے ہیں مزید مسلمانوں کا ایمان زیادہ قوی ہوتا ہے اس وسیلہ سے اسلام زیادہ قدرت مند ہوتا ہے۔ اگر کلام کا مفہوم یہ ہو کہ فلسفۂ حج دین کو نزدیک کرنا ہے، پھر بھی واضح ہے کہ مقصد مسلمانوں کے دلوں کا نزدیک ہونا ہے جس کا نتیجہ اسلام کو تقویت وقوت پانا ہے۔

۴۔ حضرت علی علیہ السلام کے منجملہ کلام میں سے یہ ہے: جعله سبحانه و تعالى للاسلام علماً (۲) یعنی پروردگار عالم نے کعبہ کو اسلام کی نشانی قرار دیا ہے۔

زمانۂ قدیم سے یہ معمول ہے کہ وہ تمام گروہ جو ایک دوسرے سے جنگ کرتے

---

(۱)۔ نہج البلاغہ، کلمات قصار، حکمت ۲۴۴۔ (۲)۔ نہج البلاغہ، خطبہ ا۔

تھے ہر ایک اپنا مخصوص پرچم رکھتے تھے اور اسی کے نیچے جمع ہوتے تھے۔ پرچم ان کے استقلال و مقاومت و پائیداری اور بقا کا رمز شمار ہوتا تھا۔ اس کا لہراتے رہنا ان کی اجتماعی زندگی کی دلیل تھا اور اس کا گر جانا ان کی شکست کی علامت ہوا کرتا تھا۔ ان میں شجاع ترین شخص کو پرچم اٹھانے کے لیے منتخب کیا جاتا تھا۔ وہ بہادروں کے ہاتھوں میں ہوا کرتا تھا تا کہ لہراتا رہے۔ اس کے برعکس دشمن کی سعی و کوشش یہ ہوتی تھی کہ پرچم کو گرا دے۔

پرچم، محترم اور مقدس ہوتا تھا۔ آج بھی پرچم ممالک اور ملتوں کے استقلال و وحدت کا رمز اور علامت سمجھا جاتا ہے۔ ہر ایک ملک خود اپنا پرچم اور ایک علامت رکھتا ہے اور اسے مقدس شمار کرتا ہے اور بسا اوقات اس کی قسم کھاتا ہے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ''کعبہ اسلام کا پرچم ہے'' یعنی جس طرح جھنڈے تمام جمعیت کے اتحاد و یگانگی اور ہم بستگی کا رمز ہیں ان کا قائم رہنا بھی ان کی زندگی کی علامت ہے۔ کعبہ بھی اسلام کے لیے اسی طرح ہے۔

دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے: لا یزال الدین قائماً ماقامت الکعبه. ''جب تک کعبہ قائم و دائم ہے اسلام بھی قائم و دائم ہے''، یعنی جب تک حج زندہ و پائندہ ہے اسلام بھی زندہ و باقی ہے۔ کعبہ اسلام کا مقدس پرچم ہے، مسلمانوں کی وحدت و استقلال کا رمز و راز ہے۔

یہیں سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام کا مقصد یہ نہیں تھا کہ لوگ بغیر سمجھے بوجھے

مکہ مکرمہ جائیں اور صرف ایک قسم کی خود بخود بغیر سمجھے بوجھے عبادتیں اور اعمال بجالائیں۔ بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ کعبہ کے پرچم تلے یعنی وہی گھر جو پہلی مرتبہ لوگوں کے درمیان خدائے یگانہ کی عبادت کے لیے بنایا گیا تھا، ایک قوم وملت کی صورت میں ہم عزم، ہم رزم اور ہم بزم ہونے کے لیے جمع ہوں۔

اسلام کا اصل اور بنیادی شعار ''توحید'' ہے کعبہ منزل توحید ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے: ﴿ان اول بیت وضع للناس للذی ببکة مبارکاً﴾(۱) یعنی لوگوں کی عبادت کے واسطے جو گھر سب سے پہلے بنایا گیا وہ تو یقیناً یہی (کعبہ) ہے جو مکہ میں ہے بڑی خیر وبرکت والا ہے۔

مشق:

۱۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع میں کیا فرمایا؟

۲۔ کس طرح مسلمین اعمال حج کے ضمن میں ایک دوسرے سے آشنائی اور دوستی کا وسیلہ فراہم کریں؟

۳۔ کعبہ کا اسلام کے لیے پرچم ہونے کا معنی کیا ہے؟

---

(۱)۔ سورۂ آل عمران، آیت ۹۶۔

سفر کے اخلاق و آداب

پہلا سبق:

حج کے مسافرین کے لیے درسِ اخلاق کا فائدہ اور لازمی ہونا

سفر کے اخلاق و آداب، انسانی اخلاق و آداب کا ایک حصہ ہیں۔ ہر ایک انسان اس لحاظ سے کہ انسان ہے اسے محبوب، پسندیدہ عادات اور بزرگوں جیسے اخلاق کا حامل ہونا چاہیے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''علیکم بمکارم الاخلاق فان ربی بعثنی بھا'' تمہارے لیے بزرگوں جیسا اخلاق رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس امر پر مامور فرمایا ہے۔ اس وقت فرمایا:

''و ان من مکارم الاخلاق ان یعفو الرجل عمن ظلمه و یعطی

من حرمه و يصل من قطعه و يعود من لا يعوده ''(۱)

یعنی منجملہ بزرگوں جیسے اخلاق میں سے یہ ہے کہ انسان لوگوں کی بدی کے سامنے ظلم کرنے والے کو معاف کردے، محروم رکھنے والے کو عطا کرے، قطع رحم کرنے والوں سے تعلقات برقرار رکھے اور جو شخص اس کی عیادت و تیمارداری نہیں کرتا، اس کی عیادت کرے۔

اخلاق کی دو قسمیں ہیں: عمومی اور خصوصی۔

عمومی اخلاق ایسے فرائض ہیں کہ انسان کو اس کی ہر جگہ ہر وقت رعایت کرنی چاہیے۔ لیکن خصوصی اخلاق ایسے فرائض ہیں جو انسان کے لیے خاص حالات، زمانہ، یا خاص افراد کی بہ نسبت وجود میں آتے ہیں مثلاً خاندانی اخلاق کی ایک خاص قسم ہے، اکتسابی اخلاق دوسری نوعیت کا حامل ہے۔

مسافرت، خاص اخلاق و آداب کو لازمی قرار دیتا ہے اس لیے کہ انسان کے لیے جدید حالت درپیش ہوتی ہے اور انسان کو ایک خاص شرائط و حالات میں قرار دیتا ہے جو قیام گاہ کے ماحول یعنی وطن عزیز سے متفاوت ہے۔

مسافرت میں انسان ایک خاص قسم کے گروہ کے ساتھ جنہیں ''ہم سفر'' کہا جاتا ہے، روز و شب بسر کرتا ہے۔ بہت سے حجابات جو اس وقت تک اس کے اور اس کے

---

(۱)۔ وسائل الشیعہ، ج ۲، ص ۲۲۴

ہم سفر کے درمیان موجود ہوتے ہیں خواہ ناخواہ اٹھا دیے جاتے ہیں اس کا سونا جاگنا ان لوگوں کے ہمراہ ہے، وہ تعاون اور ہم گام ہونا جو حضر میں ہرگز در پیش نہیں ہوتا وہاں ضروری ہو جاتا ہے۔ یہ فطری طور پر اپنے خاص فرائض وجود میں لاتے ہیں اور مخصوص روحی واخلاقی آمادگی کا تقاضا کرتے ہیں۔

مقدس دین اسلام میں اخلاق کے اس حصہ کی طرف خاص توجہ دی گئی ہے اور بہت مفید اور ثمر بخش دستورات (جو اس دین مبین اسلام کی جامعیت اور عمیق تعلیمات کا ایک دوسرا نمونہ ہے) دیے گئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ یہ مطالب میں آپ محترم خواتین وحضرات جو حج بیت اللہ کے لیے عازم سفر ہیں بیان کروں۔

حسن اتفاق سے علمائے اسلام نے ان اسلامی احکام کو حج کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے، اس لیے کہ اسلامی فرائض کے درمیان یہ فریضہ ہے جو سفر اور وطن سے خارج ہونے کا لازمہ ہے۔

ہم ان کے متن میں وارد ہونے سے پہلے بطور مقدمہ دو مطلب کی وضاحت کریں گے: پہلا مطلب حجاج محترم کے لیے اس درس کا فائدہ اور لازمی ہونا، دوسرا یہ کہ ''اخلاق''، ''آداب'' اور ''سفر'' جو ہمارے درس کا عنوان قرار دیا گیا ہے اور اسی طرح کلمہ ''رفیق'' جو معمولاً ہم سفر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

لیکن اس درس کا فائدہ اور لازمی ہونا:

بالفرض اگر تمام مسافروں کے لیے اخلاق آمادگی لازم نہ ہو، پھر بھی اس اجتماعی

مذہبی سفر کے لیے کمالِ ضرورت کا حامل ہے یہ سفر تمام مسافرت کی جہات کے علاوہ ایک روحانی مذہبی سفر ہے۔ واضح ہے جب تک انسان روحانی لحاظ سے پاک و پاکیزہ نہ ہوگا اس وقت تک روحانی پروگرام سے معنوی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

بسا اوقات بعض افراد یہ سوال کرتے ہیں: یہ کیسے ہے کہ اسلام کی نظر میں مالی، بدنی اور طریقی (راہ کا پُر امن ہونا) استطاعت شرط ہے لیکن روحانی و اخلاقی استطاعت شرط نہیں ہے؟ یعنی یہ کیسے ہے کہ حاجی کو مالی لحاظ سے اتنا زیادہ مال دار ہونا چاہیے کہ آسودگی کے ساتھ مکہ جا کر واپس آجائے، اس کے مشغلے اور اہل خانہ کی معاشی حالت پر کوئی خاص اثر نہ پڑے، نیز جسمانی لحاظ سے سالم ہو مریض نہ ہو، راستہ کے لحاظ سے امن وامان پایا جاتا ہو، لیکن حاجی کا روحانی واخلاقی لحاظ سے کافی سرمائے کا حامل اور اس سے مطلوب ہونا لازمی نہ ہو؟ کیوں؟

جواب یہ ہے کہ روحانی واخلاقی استطاعت بھی شرط ہے لیکن ایک فرق کے ساتھ وہ یہ کہ تمام استطاعت شرط وجوب ہیں لیکن روحانی واخلاقی استطاعت شرط وجود ہے۔

اس مطلب کی وضاحت:

شرط وجوب یعنی جب تک وہ شرط پیدا نہ ہو کوئی وظیفہ و فریضہ درکار نہیں ہے۔ مثلاً مال کا نصاب کی حد تک پہنچنا زکوۃ کے وجوب کی شرط ہے، جب تک مال نصاب کی حد تک نہ پہنچے کوئی وظیفہ و فریضہ عائد نہیں ہوتا۔ لیکن شرط وجود یعنی ایسی شرط کہ جب

تک وہ شرط محقق نہ ہو انسان کا عمل صحیح یا قابل قبول نہیں ہے۔ مثلاً بدن اور لباس کا پاک ہونا نماز کی شرط ہے لیکن شرط وجود ہے، یعنی بدن اور لباس پاک ہونا چاہیے تاکہ نماز صحیح ہو۔ اسی طرح حضور قلب نماز کی شرط ہے، یعنی حضور قلب ہونا چاہیے تاکہ نماز مورد قبول واقع ہو، انسان کے درجات کو بلند کرے اور اپنے آثار عطا کرے۔

دونوں شرط کی قسموں میں فرق یہ ہے کہ انسان مکلّف نہیں ہے کہ شرط وجوب کو ایجاد کرے، بلکہ جب شرط موجود ہوگی اس وقت انسان مکلّف ہوگا۔ مثلاً انسان مکلّف نہیں ہے کہ حتمی طور پر اپنے مال کو نصاب کی حد تک پہنچائے تاکہ زکوۃ ادا کرے لیکن اگر نصاب کی حد تک پہنچ گیا تو زکوۃ واجب ہو جائے گی۔

لیکن شرط وجود ایسی شرط ہے کہ لازمی طور پر اسے ایجاد کرنا چاہیے۔ مثلاً ضروری ہے کہ بدن اور لباس کو پاک رکھا جائے تاکہ نماز صحیح ہو۔ اسی طرح حضور قلب ہونا لازمی ہے تاکہ نماز مورد قبول واقع ہو اور اپنا واقعی اثر بخشے۔

لہٰذا شرط وجود شرط وجوب سے زیادہ اہم ہے۔ اخلاقی و روحانی استطاعت شرطِ وجود ہے یعنی صرف روحانی واخلاقی آمادگی کی صورت ہی میں ایسا ہے کہ انسان بے شمار روحانی اور اجتماعی خصوصیات سے بہرہ مند ہوتا ہے اور اگر انسان آمادگی نہ رکھتا ہو تو ''محنت بادیہ خریدہ بہ سیم'' والی مشکل درپیش ہوتی ہے۔ یعنی کافی زحمت و مشقت کے بعد کوئی خاص نتیجہ حاصل نہیں ہوتا۔

اب ہم کیا دلیل رکھتے ہیں کہ روحانی استطاعت شرط وجو یعنی حج کے مفید ہونے اور اس کی مقبولیت کی شرط ہے؟ بطور نمونہ اس روایت کو ہم ذکر کرتے ہیں:

شیخ صدوق ؒ نے روایت نقل کی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

''ما یعبأ بمن یؤمّ هذا البیت اذا لم یکن فیه ثلث خصال: خلق یخالق به من صحبه و حلم یملک به غضبه و ورع یحجزه عن محارم اللّٰه.''(۱)

یعنی جو شخص حج کے قصد سے خانۂ کعبہ کی طرف آتا ہے، اللہ تعالیٰ کی مورد عنایت واقع نہیں ہوتا مگر یہ کہ اس میں تین خصلتیں پائی جاتی ہوں: اپنے ہم سفر افراد کے ساتھ معاشرت کے لیے ایک مناسب اخلاق کا حامل ہو، حلم و بردباری کی قوت ہمراہ ہوتا کہ اپنے غیظ و غضب کو (جو خواہ مخواہ سفر میں درپیش آنے کا باعث ہوا کرتا ہے) روک سکے، ورع و پرہیز گاری رکھتا ہو جو اسے گناہوں سے باز رکھے۔

یہیں سے ان حجاج کرام کو اپنا وظیفہ سمجھنا چاہیے جو بلا وجہ ہم سفر دوستوں سے اختلاف کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، بہت جلد آپے سے باہر ہو جاتے ہیں، کذب (جھوٹ) اور غیبت وغیرہ جیسے مختلف اقسام کے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں افسوس یہ ہے کہ اسی طرح کے بہت سے کمزور پہلو اکثر حجاج کرام کے درمیان

---

(۱)۔ من لا یحضرہ الفقیہ، ج ۲، ص ۱۷۹۔

مشاہدہ میں آتے ہیں۔ ممکن ہے آپ یہ کہیں کہ روحانی و اخلاقی استطاعت تمام عبادات کے قبول ہونے کی شرط ہے، یہ صرف حج ہی سے مخصوص نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿انما یتقبل اللہ من المتقین﴾(۱) ''خدا صرف صاحبانِ تقویٰ کے اعمال قبول کرتا ہے''۔

جب تک انسان متقی و پرہیزگار اور پاک و پاکیزہ نہ ہوگا اس کا کوئی بھی عمل قابل قبول نہ ہوگا۔

ہم جواب میں عرض کریں گے: جی ہاں ایسا ہی ہے۔ ہر ایک فعل پہلے سے روحانی آمادگی کا طالب ہے لیکن اس تفاوت و فرق کے ساتھ کہ عملِ حج اگرچہ عبادت ہے اور اسے قصدِ قربت کے ساتھ انجام دینا چاہیے اور اس کے علاوہ تقوائے قلب کا بھی محتاج ہے، ایک اجتماعی عمل ہے۔ ہر شخص کو چاہیے کہ مناسب اجتماعی اخلاق سے متصف ہو تاکہ اس الٰہی فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دے اور وہ قدرت و طاقت جو اسلام کے اس عظیم اجتماع کا مقصد ہے پیدا ہو سکے۔ وہ حدیث جو ہم نے نقل کی، اس میں تین خصلتوں کی طرف اشارہ کیا گیا تھا ان میں سے دو انسان کے معاشرتی اخلاق کی شائستگی سے مربوط تھیں۔ انسان کے لیے صحیح نماز پڑھنے یا زکوٰۃ کو قصد قربت سے ادا کرنے کے لیے اجتماعی صلاحیت کا ہونا لازمی نہیں ہے لیکن حج کا عظیم

---

(۱)۔ سورہ مائدہ، آیت ۲۷۔

عمل انجام دینے کے لیے اجتماعی صلاحیت کا ہونا لازمی وضروری ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ روحانی واخلاقی استطاعت دوسری تعبیر میں اجتماعی صلاحیت بھی شرط ہے اور یہ استطاعت مالی، بدنی اور طریقی استطاعت سے اسلام کی نظر میں زیادہ اہم ہے، اس لیے کہ اس کو شرطِ وجود قرار دیا ہے کہ جسے حتماً وجود میں لانا اور حاصل کرنا چاہیے نہ کہ وہ شرطِ وجوب ہے۔

مشق:

۱۔ اخلاق کی کتنی قسمیں ہیں؟

۲۔ سفر کے لیے اپنے مخصوص اخلاق وآداب کیوں ہیں؟

۳۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکارم اخلاق کے متعلق کیا ارشاد فرمایا؟

۴۔ کیا حج کے لیے روحانی واخلاقی استطاعت کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

۵۔ شرطِ وجوب اور شرطِ وجود میں کیا فرق ہے؟

دوسرا سبق: بعض الفاظ کے معانی سے آشنائی

جب ہم کہتے ہیں "سفر کے اخلاق و آداب" تو ہمیں اخلاق و آداب کا معنی اور ان کے درمیان موجودہ فرق کو جاننا چاہیے۔ یہاں تک کہ بہتر ہے کہ ہم یہ بھی جانیں کہ کیوں سفر کو سفر کہتے ہیں اور کیوں ہم سفر کو "رفیق" کہتے ہیں۔

اخلاق

اخلاق خُلق کی جمع ہے۔ خلق یعنی عادت۔ انسانی وجود کا ڈھانچہ جہاں تک بدن سے مربوط ہے، خَلق (خاء پر زبر کے ساتھ) استعمال ہوتا ہے، اور جہاں تک روح سے مربوط ہے یعنی روحانی رجحانات کے بعض حصے سے مربوط ہے، خُلق (خاء پر

پیش کے ساتھ) استعمال ہوتا ہے۔ دوسری تعبیر میں خَلق شخص سے مربوط ہے اور خُلق شخصیت سے مربوط ہے۔ [جیسا کہ] دعا میں وارد ہوا ہے کہ جس وقت آئینے کے مقابل کھڑے ہو کر خود کو دیکھتے ہو تو یہ کہو: ''اللھم حسّن خُلقی کما حسّنت خَلقی''یعنی خداوندا! میرے اخلاق کو نیک بنا دے جس طرح میرے جسم کو اچھا بنایا ہے اور مجھے انسانی صورت اور احسنِ تقویم (بہترین صورت) میں پیدا کیا جو کچھ بدن سے مربوط ہے اس کے ڈھانچے کی بنیاد رحم مادر پر تمام ہوتی ہے۔ جیسے انسان کا سفید یا سیاہ پوست ہونے کی استعداد و صلاحیت، خوب صورت، یا بد صورت، کوتاہ قد یا بلند قد ہونا، یہ تمام مراحل رحم کے مرحلہ میں بنیادی طور پر وجود میں آتے ہیں اور بچہ کے دنیا میں آجانے کے بعد نہ وہ خود نہ ہی دوسروں کے ذریعہ اس میں ردّ و بدل کی قابلیت پیدا کر سکتا ہے۔

لیکن اخلاقیات جو روح سے مربوط ہیں اسی دنیا میں خود انسان، اساتذہ، تربیت دینے والوں اور اجتماع کے ذریعہ بنیادی طور پر وجود میں آتے ہیں۔ البتہ بعض اخلاقی صلاحیتیں سرشت و فطرت اور ولادت سے پہلے کے مرحلہ سے مربوط ہوتی ہیں۔

اس بنا پر خَلق اور خُلق کے درمیان دو فرق پائے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے یہ کہ خَلق جو بدن سے مربوط ہے ایک منزل سے آگے یعنی رحم کی منزل میں وجود میں آتا ہے لیکن خُلق جو روح سے مربوط ہے ایک منزل پیچھے ہے یعنی ولادت کے بعد

بنتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جو کچھ بدن کی خلقت سے مربوط ہے انسان کے اختیار سے خارج ہے انسان خود اپنی خلقت کو عوض کرنے پر قادر نہیں ہے، لیکن جو کچھ روحانی اخلاقیات سے مربوط ہے انسان کے اختیار میں ہے، ہر شخص کو خود اپنی شخصیت بنانی چاہیے، اپنی روح کا معمار و انجینئر خود ہو اور اپنے اخلاق کا معمار و خودساز بھی ہو۔

تمام انسان رفتار و کردار کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں، مثلاً ممکن ہے متواضع ہوں یا متکبر، کریم و سخی ہوں یا بخیل و لئیم ہوں حلیم و بردبار ہوں یا کینہ پرور و جنگجو، تواضع، تکبر، کرم، بخل، حلم اور کینہ کو خلقیات کہتے ہیں۔

یقیناً اس قسم کے صفات کے لیے کلمہ ُخلق اطلاق ہوتا ہے جو انسانی روح میں جاگزین ہوتے ہیں اور انسانی عادات کا جز شمار ہوتے ہیں۔ یہ صفات عمل، تکرار اور اس کے تلقین وغیرہ سے انسانی روح میں جاگزین ہوتے ہیں اور اصطلاح میں ملکہ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں: ملکہ فاضلہ یا رذیلہ (اچھائیوں یا برائیوں پر تسلط رکھنا)۔

دوسری تعبیر میں ہر فرد کا ردِّ عمل دوسرے فرد کے مقابل متفاوت ہے، ممکن ہے ایک ایسا عکس العمل ہو جو اس کے اور اجتماع کے لیے ضرر واقع ہو بسا اوقات ممکن ہے ایسا ردِّ عمل ہو جو اس کے اور اجتماع کے لیے مفید واقع ہو۔ اگر انسان کا دوسروں کے مقابل میں تمام ردِّ عمل بہتر اور مفید ہو اور انسان کی عادت یہ ہو جائے کہ ہمیشہ اچھا عکس العمل انجام دے، تو کہا جائے گا کہ اس کے اخلاقیات بہتر ہیں۔

آداب

آداب ادب کی جمع ہے۔ ایسے آداب واہتمام جو انسان اپنے امور کے لیے قرار دیتا ہے، اس فعل کو آداب کے نام سے جانا جاتا ہے جیسے کھانا ایک طبیعی عمل ہے۔ انسان چاہے تو کبھی حیوانات کی طرح منہ سے پانی پیے یا غذا کھائے اور چاہے تو ہاتھ سے کھائے یا چمچ سے، چاہے تو داہنے ہاتھ سے کھائے یا بائیں ہاتھ سے، چاہے تو ہاتھ دھوئے بغیر یا گندے چمچ سے کھائے اور چاہے تو پاک وصاف ہاتھ اور چمچ سے کھائے یا یہ کہ انسان غذا کو داہنے ہاتھ سے کھائے اور اس کا ہاتھ یا چمچ دھلا ہو، شروع کرتے وقت بسم اللہ کہے، آہستہ آہستہ کھائے، لقموں کو زیادہ چبائے، کھانے کے آداب میں سے جانا جائے گا۔

افراد ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت معمولاً بعض آداب کی رعایت کرتے ہیں بعض افراد اپنے سر کو جنبش دیتے ہیں یا اپنی ٹوپی اتار لیتے ہیں اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ بعض ملتوں میں اپنی ناک کو آپس میں ملتے ہیں، اور وہ افراد کہ جنہیں یہ فراموش نہیں ہوا ہے کہ وہ انسان ہیں اور جانتے ہیں کہ انسان کے لیے معنویات کی افہام و تفہیم کے لیے محل گفتگو ہے اور ایک شخص کی دوسرے شخص کے لیے جو بہترین آرزو کرنی چاہیے یہ ہے کہ اس کے لیے صحت وسلامتی اور صلح ومسالمت کا طالب ہو، یہی افراد جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو ''سلام علیکم '' کہتے ہیں یعنی: میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لیے صحت وسلامتی کا آرزو مند ہوں۔

سلام، ملاقات کا ادب ہے۔ اسی طرح ہر ایک کام کے لیے مخصوص آداب ہیں اتنی مقدار بھر مثال کافی ہے۔

سفر کے بھی اپنے مقام پر اخلاق وآداب ہیں، یعنی انسان کو بعض روحانی خصلتوں سے بہرہ مند ہونا چاہیے، جیسے یہ کہ دوسرے کی بہ نسبت مہربان ہو ان سے ملاقات کے وقت خندہ پیشانی اور تبسم کے ساتھ ملے اور بعض آداب کی رعایت بھی کرنی چاہیے، جیسے یہ کہ مسافرت سے پہلے اپنے دوستوں کو باخبر کرے اور ان سے خدا حافظی کرے۔ ہم بعد میں تفصیلی طور پر سفر کے اخلاق وآداب کے متعلق بحث کریں گے۔

سفر

کلمہ سفر سفور کے مادہ سے ہے کہ ایک شے سے پردہ اٹھانے کے معنی میں ہے۔ غزالی (محجۃ البیضاء سے نقل کرتے ہوئے) کہتے ہیں: سفر کو اس لیے سفر کہا جاتا ہے کہ انسان کے واقعی اخلاق سے پردہ اٹھاتا ہے صرف مسافرت میں اشخاص کے واقعی اخلاق کو جانا اور پہچانا جاسکتا ہے۔

کہا جاتا ہے: ایک شخص دوسرے شخص کے متعلق گواہی دینا چاہتا تھا، اس سے کہا: کیا تم نے اس کے ہمراہ سفر کیا ہے؟ کہا: نہیں، کہا: تو پھر تم اسے نہیں پہچانتے۔ کہا جاتا ہے: اگر تم نے کسی شخص کو دیکھا کہ لوگ اس کے ساتھ معاملات انجام دیتے ہوں اور جو افراد اس کے ہمراہ مسافرت کر چکے ہوں اس کی تعریف کرتے ہوں، تو یقین

کرلو کہ وہ نیک آدمی ہے۔(۱)

مجموعی طور پر ہر وہ چیز جو انسان کو غیر عادی حالات میں اس کے روحانی سکون کو ختم کرے انسان کے واقعی اخلاق سے پردہ اٹھا دیتی ہے۔

انسان عادی حالت میں ٹھہرے ہوئے پانی کا حکم رکھتا ہے جو ایک حوض میں جمع ہوا ہے ٹھہرنے کی وجہ سے پانی کے ساتھ ملی ہوئی اشیا تہ نشین ہو جاتی ہیں اور پانی صاف و شفاف نظر آتا ہے۔ لیکن جیسے ہی ایک لکڑی پانی میں لے جا کر پانی کو ہلائیں اور تہ و بالا کریں اس وقت دیکھیں گے کہ کتنی کثافت و گندگی پانی کے اندر ہے۔ بعض افراد عادی حالات میں اپنے نفس اور دل کی طرف رجوع کرتے ہیں تو انہیں اسی حوض کے پانی کی طرح پاک و صاف دیکھتے ہیں اور خود اس بات سے غافل ہیں کہ اگر جدید حالات و اسباب پیدا ہو جائیں جو برے صفات اس کے باطن میں تہ نشین ہو گئے تھے ظاہر ہو جائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ اس کی روح میں کس قدر آلودگیاں اور برائیاں موجود تھیں۔

غزالی کہتے ہیں: سفر کے منجملہ فوائد میں سے یہ ہے کہ ایک شخص کی ماہیت خود اس کے لیے روشن ہو جاتی ہے۔ سفر میں معلوم ہو جاتا ہے کہ کون شجاع ہے اور کون بزدل، کون مہربان ہے اور کون نامہربان، کون خدمت گزار ہے اور کون بے ہودہ گو اور

---

(۱)۔ محجۃ البیضاء، ج ۴، ص ۴۲، ۵۶۔

کاذب، کون حلیم و بردبار اور پرحوصلہ ہے اور کون کم ظرفیت و بے وقار؟ اسی وجہ سے سفر کو سفر کہا گیا ہے۔

سفر مجموعی طور پر مفید اور ضروری ہے۔ قطع نظر اس کے کہ ہر شخص کے لیے خود اس کا واقعی اخلاق ظاہر کر دیتا ہے، دوسرے حقائق کو بھی انسان کے لیے روشن کرتا ہے: آدمی کو پختہ اور جہان دیدہ بنا دیتا ہے، بہت سے مادی اور معنوی فوائد کا حامل ہے۔ سفر کی تعریف میں بہت زیادہ اقوال ہمارے لیے بیان ہوئے ہیں۔ قرآن کریم زمین کی سیر کرنے کا حکم دیتا ہے اور اسے آنکھ نیز دل کے کھلنے اور عقل و تجربہ کے اضافے کا باعث سمجھتا ہے۔ سورہ حج کی آیت ۴۶ میں فرماتا ہے: ﴿افلم یسیروا فی الارض فتکون لھم قلوب یعقلون بھا او آذان یسمعون بھا﴾ کیا ان لوگوں نے زمین کی سیر نہیں کی ہے کہ ان کے پاس ایسے دل ہوتے جو سمجھ سکتے اور کان ہوتے جو سن سکتے؟

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ''سافروا تصحّوا'' (۱) ''سفر کرو صحت مند ہو جاؤ گے'' مولا امیر المومنین علیہ السلام سے منسوب دیوان میں ہے:

تغرّب عن الاوطان فی طلب العلی و سافر ففی الاسفار خمس فوائد

تفرج همّ و اکتساب و معیشة و علم و آداب و صحبة ماجد

---

(۱)۔ فقیہ، ج ۲، ص ۱۷۳۔

وطن کو چھوڑ کے نکلو تو آگہی کے لیے سفر میں پانچ فوائد ہیں آدمی کے لیے
ملے گا علم و ادب، ہم نشینی دانا کی مٹاؤ غم کو، چلو کسب زندگی کے لیے

جناب انوری صاحب کہتے ہیں:

بہ جرم خاک و بہ گردون نگاہ باید کرد
کہ آن کجاست ز آرام و این کجا ز سفر
بہ شہر خویش درون، بی خطر بود مردم
بہ کان خویش درون، بی بھا بود گوھر
سفر مربی مرد است و آستانۂ جاہ
سفر خزانۂ مال است و اوستاد ھنر
درخت اگر متحرک شدی ز جای بہ جای
نہ جور ارّہ کشیدی و نہ جفای تبر

خاک کے جسم اور آسمان کا مشاہدہ کرنا چاہیے
کہ وہ جسمِ خاک کتنے سکون سے اپنی جگہ بیٹھا ہے اور یہ دنیا گردش کر رہی ہے
اپنے شہر میں لوگ بے خوف و خطر زندگی بسر کرتے ہیں
گوہر اپنے معدن میں رہتے ہوئے بے ارزش رہتا ہے
سفر انسان کا مربی ہے اور جاہ و حشم کا آستانہ
سفر مال کا خزانہ ہے اور خود شہر میں رہنا ہنر سکھاتا ہے
درخت اگر ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت کرے

تو نہ آری کی مصیبت کو تحمل کرتا ہے اور نہ ہی کلہاڑی کی جفا کو

غزالی ناقل ہیں: علماء میں سے ایک عالم اپنے دوستوں سے کہتے ہیں: ''سیحوا تطیبوا فان الماء اذا کثر مقامه فی موضع تغیر ''یعنی سیر کروتا کہ پاک و پاکیزہ ہو جاؤ، اس لیے کہ اگر پانی ایک جگہ رک جائے تو گندگی میں بدل جاتا ہے۔(۱)

ابوالفتح بستی کہتے ہیں:

لقد هنت من طول المقام و من يقم

طويلاً يهن من بعد ما كان مكرما

و طول جما ل المرء فی مستقره

يغيره لوناً و ريحاً و مطعما (۲)

یعنی اس قدر ایک مقام پر مقیم رہا کہ لوگوں کی نظروں سے گر گیا اور میں ذلیل و پست ہو گیا ہوں، ہاں جو شخص ایک جگہ زیادہ قیام کرے تو اس کی عزت، ذلت میں بدل جاتی ہے، انسان کا اپنے مقام پر زیادہ ٹھہرنا اس کے رنگ و بو اور مزہ کو ختم کر دیتا ہے۔

رفیق

کلمۂ رفیق رفق کے مادہ سے ہے جو نرمی کے معنی میں ہے۔ قدیم الایام سے کلمۂ رفیق ہم سفر کے لیے اطلاق ہوتا رہا ہے۔ احادیث میں بھی یہی تعبیر بروئے کار لائی

---

(۱)۔ محجۃ البیضاء، ج ۴، ص ۴۲۔ (۲)۔ المحاسن والاضداد، ص ۱۳۶۔

گئی ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''الرفیق ثم السفر''(۱) یعنی پہلے نیک دوست کا انتخاب کرو پھر سفر کے لیے عزم مصمم کرو۔

اس کلمہ کا اس جہت سے ہم سفر کے لیے انتخاب کیا گیا ہے کہ ایک ہم سفر کے لیے بہت زیادہ ضروری شرط، رفاقت وزمی ہے۔ انسان کو سعی وکوشش کرنی چاہیے کہ بہت زیادہ تعاون ہمراہی اور نرمی سے اپنے دوستوں کے ساتھ پیش آئے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ سفر اپنے مقام پر مخصوص اخلاق و آداب کا حامل ہے۔ ہمیں اسے جاننا چاہیے اور عمل پیرا ہونا بھی۔

مشق:

۱۔ خَلق وخُلق کے درمیان کیا فرق ہے؟

۲۔ آداب کا کیا مطلب ہے؟

۳۔ سفر کو سفر کیوں کہا جاتا ہے؟

۴۔ سفر کے کیا فوائد ہیں؟

۵۔ کلمہ رفیق کے کیا معنی ہیں؟

---

(۱)۔ فقیہ، ج۲، ص۱۸۲۔

کعبہ اور اس کا اجتماعی کردار

۱۔ قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ دنیا کا سب سے قدیمی عبادت خانہ ہے(۱): ﴿ان اول بیت وضع للناس للذی ببکة مبارکاً﴾ (۲)

اس سلسلہ میں مفصل تفسیروں کی طرف رجوع کریں کہ جن میں تاریخی پہلو سے اس مطلب کو بطور مفصل بیان کیا گیا ہے۔ (۳)

---

(۱)۔ البتہ معبد توحید، اس لیے کہ قرآنی نقطۂ نظر سے توحید شرک پر مقدم ہے، توحید نے شرک سے تدریجی ترقی نہیں کی، بلکہ شرک توحید سے ایک قسم کا انحراف ہے۔

(۲)۔ سورۂ آل عمران، آیت ۹۶۔

(۳)۔ سورۂ حج، آیت ۲۹، ۳۳ میں کعبہ کو "بیت العتیق" [قدیمی گھر] کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ ممکن ہے فرسودہ قدیمی گھر مقصود ہو اور یہ بھی ممکن ہے آزاد گھر مقصود ہو جو "لا یملکه احد" کسی کی ملکیت میں نہ ہو، جیسا کہ اسی مضمون کی امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت وارد ہوئی ہے (تفسیر صافی)۔

آقای غفوری حج کانفرنس کی تقریر میں کہتے ہیں:

جیسا کہ تحریر کیا گیا ہے کہ قدیم الایام سے سات عظیم عمومی معبد (عبادت خانے) موجود تھے جو چین، ہندوستان، بلخ [افغانستان] صنعا [یمن] اور ایران کے موجودہ شمال اور مرکزی علاقہ جات میں پائے جاتے تھے اور ان سب میں سب سے زیادہ قدیمی وہی خانہ کعبہ ہے۔(۱)

۲۔قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گھر، ایک بابرکت گھر ہے اور اس کی بنا یہ ہے کہ صاحبان توحید و عدل یعنی مسلمانوں کے لیے خیرات و برکات کا سرچشمہ ثابت ہو، جیسا کہ گزشتہ آیت میں ذکر ہوا۔

۳۔مزید قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گھر اور اس کی حریم (چار دیواری) امن وامان کی جگہ ہے۔خانہ کعبہ بلکہ حریم کعبہ میں کسی کے حرم کے نام پر کسی کو کسی بھی شکاری کے شکار کرنے اور تعرض وتجاوز کا حق حاصل نہیں ہے انسان کی تو بات ہی جداگانہ ہے، کہ اس مقام پر عمومی آزادی، کامل امنیت اور عقیدہ و بیان کی مکمل آزادی اور کسی سے کسی قسم کا تعرض وتجاوز نہ کرنے والے امور جاری وساری ہیں۔ اس جہت سے کہ بعض مقامات مقدس اور پناہ گاہ ہیں، اور لوگ اس مقام پر پناہ حاصل کرتے ہیں جیسے پارلیمنٹ وغیرہ یا قدیم زمانہ میں مشاہد مشرفہ اور علماء کا بیت

---

(۱)۔کتاب اسرار حج اور کتاب قبلہ کمروای صاحب کی طرف رجوع کریں۔

الشرف ہوا کرتا تھا اس میں بھی ایک مطلب نہاں ہے۔ بہر حال ایک لحاظ سے محفوظ حرم کے حکم میں ہے یہاں تک کہ حیوانات کی بہ نسبت بھی۔ البتہ مجرموں کو قانونی حیثیت سے دیکھنا چاہیے کہ ان کا کیا حکم ہے بالخصوص وہ افراد جو خود حرم میں حد اور قصاص کا موجب بننے والے افعال کے مرتکب ہوتے ہیں۔ دعائے ابراہیم میں بھی ذکر ہوا ہے: "رب اجعل هذا بلداً آمناً "یا: اجعل هذا البلد آمناً اس شہر کو امن وامان کا شہر قرار دے۔

اور اسی طرح سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۲۵: ﴿وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مصلّى... ﴾ اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے خانۂ کعبہ کو لوگوں کے لیے ثواب اور امن کی جگہ بنایا اور حکم دیا کہ مقام ابراہیم کو مصلی بناؤ...حرم کی یہ خصوصیت اس بات کی تائید کرتی ہے کہ حرم تمام مسلمانوں سے متعلق ہونا چاہیے نہ خاص گروہ سے جو شمارہ ۵ میں کہا جائے گا۔

آقای غفوری کہتے ہیں:

آج بشر نے احساس کرلیا ہے کہ وہ ایک ایسے مقام کا محتاج ہے جو محترم ہو اور بین الاقوامی لحاظ سے انصاف کرنے اور عالمی کانفرنسوں کی جگہ ہو۔ بالآخر بڑے اختلافات دور کرنے کی جگہ ہو...کیا مسلمانوں کو اس نکتہ کی طرف توجہ اور معلومات نہیں فراہم کرنی چاہیے کہ کچھ صدی پہلے ایک دینی اجتماع کے لیے ان کے درمیان وحدت و یگانگی ایجاد کرنے کے لیے لائحۂ عمل آمادہ کیا گیا ہے۔

۴۔خانۂ کعبہ اور ذی الحجہ کا مہینہ مسلمانوں کے امور کے قیام واصلاح کے لیے ایک وسیلہ ہے:

﴿جعل اللّٰہ الکعبۃ البیت الحرام قیاماً للناس والشھر الحرام والھدی والقلائد...﴾(۱) اللہ نے کعبہ کو جو بیت الحرام ہے اور محترم مہینے کو قربانی کے عام جانوروں کو اور جن جانوروں کے گلے میں پٹہ ڈال دیا گیا ہے سب کو لوگوں کے قیام واصلاح کا ذریعہ قرار دیا ہے...

اس آیت میں اعمال حج کے اجتماعی اثر کا ذکر ہوا ہے، جیسا کہ روایات میں بھی وارد ہوا ہے۔کلمہ ''حرام'' جو تکرار ہوا ہے فلسفہ اور معیار کو ذکر کر رہا ہے یعنی اس قسم کے محترم مکان کا رکھنا مسلمانوں کی محافظت کا باعث ہے۔

۵۔اس گھر بلکہ حرم کا خصوصی مالک نہیں ہونا چاہیے، خدا کا مال ہے یعنی سب کا مال ہے۔تمام حرم اس جہت سے مسجد کا حکم رکھتا ہے (نہ کہ تمام جہات سے) لہٰذا اس آیت کے ذیل میں: ﴿ان الذین کفروا ویصدون عن سبیل اللّٰہ والمسجد الحرام الذی جعلناہ للناس﴾*(۲) بے شک جن لوگوں نے

---

(۱)۔سورۂ مائدہ، آیت ۹۷۔ *۔سورۂ حج، آیت ۲۵۔

(۲)۔خصوصاً اس جہت سے کہ حج کے متعلق ہر جگہ کلمہ ''ناس'' کی تکرار ہوئی ہے: وللّٰہ علی الناس حج البیت ... واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس... ان اوّل بیت وضع للناس ... جعلناہ للناس سواء العاکف ... جعل اللّٰہ الکعبۃ البیت الحرام قیاماً للناس...

کفر اختیار کیا اور لوگوں کو اللہ کے راستے اور مسجد الحرام سے روکتے ہیں جسے ہم نے تمام انسانوں کے لیے برابر سے قرار دیا ہے۔﴿سواء العاکف فیه و الباد﴾(۱) ''چاہے وہ مقامی حائل اور مانع ہوں یا باہر والے'' حدیث میں وارد ہوا ہے کہ کسی شخص کے لیے کسی دوسرے شخص کو مکہ میں وارد ہونے سے مانع ہونے کا حق نہیں ہے اس عنوان سے کہ یہاں ہمارا شہر ہمارا وطن اور ہماری مملکت ہے، اور یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب قریش مکہ میں مسلمانوں کے داخل ہونے سے مانع ہو رہے تھے۔اسی طرح سورہ انفال کی آیت نمبر ۳۴: ﴿وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ ...﴾''اور ان کے لیے کون سی بات ہے کہ خدا ان پر عذاب نہ کرے جب کہ یہ لوگوں کو مسجد الحرام سے روکتے ہیں اور اس کے متولیوں میں بھی نہیں ہیں...'' اس کے باوجود کعبہ و مسجد بلکہ حرم صاحبان توحید، عبادت الٰہی انجام دینے والوں اور ملت ابراہیم سے متعلق ہے(۲)۔ جیسے ایسا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے یہ جگہ صاحبان توحید کے لیے عبادت الٰہی انجام دینے کی غرض سے وقف ہوئی ہے۔مگر وقف نہیں ہے، ملکیت کی ایک اپنی مخصوص قسم ہے جو بین الاقوامی اسلامی ملکیت کہلاتی ہے۔

---

(۱)۔ یہ آیت صریحاً اعلان کر رہی ہے کہ ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے قرار دیا ہے یہ گھر جو خانہ خدا ہے، لوگوں کا گھر ہے۔

(۲)۔ رجوع کریں المیزان، ج ۳، ص ۳۹۳، امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مہدی عباسی کا مسئلہ دریافت کرنے کے واقعہ میں۔

نہج البلاغہ میں مولا علی علیہ السلام قثم ابن عباس کو جو عاملِ مکہ تھے ایک مکتوب تحریر فرماتے ہیں:

اما بعد، فاقم للناس الحج (۱) و ذکّرهم بایّام اللّٰه (۲) و اجلس لهم العصرین فافت المستفتی و علّم الجاهل و ذاكر العالم ولا یكن لك الی الناس سفیر الّا لسانك ولا حاجب الّا وجهك ... و انظر الی ما اجتمع عندك من مال اللّٰه فاصرفه الی من قبلك ... ومر اهل مكة ان لا یاخذوا من ساكن اجراً، فان اللّٰه سبحانه یقول: "سواء العاكف فیه و الباد" فالعاكف: المقیم به، والبادی: الذی یحج الیه من غیر اهله، وفقنا اللّٰه و ایاكم لمحابّه. (مکتوب نمبر ۶۷ نہج البلاغہ)

"امابعد لوگوں کے لیے حج کے قیام کا انتظار کرو اور انہیں اللہ کے یادگار دنوں کو یاددلاؤ۔ صبح وشام عمومی جلسہ رکھو۔ سوال کرنے والوں کے سوالات کے جوابات دو۔ جاہل کو علم دو اور علماء سے مذاکرہ کرو۔ لوگوں تک تمہارا کوئی ترجمان تمہاری زبان کے علاوہ نہ ہو اور تمہارے چہرہ کے علاوہ تمہارا کوئی دربان بھی نہ ہو...جو

---

(۱)۔ جیسے یہ کہ اس کو مامور کرتا ہے جو ضمنی طور پر حجاج کی امارت وسرداری کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

(۲)۔ امیر الحاج کا وظیفہ یہ ہے کہ صرف رسمی ریاست کا حامل نہ ہو بلکہ تاریخ کو لوگوں کے لیے بیان کرے۔ اس میں موعظہ ونصیحت اور ان کے مصالح ومنافع کی رہنمائی کرے نیز انہیں ان کے ماضی کی یاد دلائے۔

اموال تمہارے پاس جمع ہو جائیں ان پر نظر رکھو اور تمہارے یہاں جو عیال دار اور بھوکے پیاسے لوگ ہیں ان پر صرف کر دو... اہل مکہ سے کہو کہ خبر دار مکانات کا کرایہ نہ لیں کہ پروردگار نے مکہ کو مقیم اور مسافر دونوں کے لیے برابر قرار دیا ہے۔ عاکف مقیم مکہ کو کہا جاتا ہے اور بادی جو مکہ کے باہر سے حج کے لیے آتا ہے، اللہ ہمیں اور تمہیں اپنے پسندیدہ اعمال کی توفیق دے۔''

اگرچہ اکثر و بیشتر قرآن کی آیت میں مسجد الحرام سے تعبیر کی گئی لیکن قرآن کریم میں کبھی کلمۂ کعبہ مخصوص بیت کے لیے اور کبھی حرم کی تمام چار دیواری پر مشتمل ہوتا ہے، جیسے کلمۂ ''ھدیاً بالغ الکعبۃ'' اور اسی طرح کلمۂ مسجد الحرام (۱) کبھی اس کے حریم یعنی تمام حرم پر مشتمل ہے اس کے علاوہ بعید نہیں ہے کہ امام کا مقصد مکہ کے خصوصی منازل نہ ہوں۔ تمام حرم اس حکم کا حامل ہے۔

ہماری احادیث میں وارد ہوا ہے کہ سب سے پہلے جس نے مکہ کے گھروں کے لیے مصراعین (دروازے کا دو پٹ) قرار دیا معاویہ تھا:

و کان الناس اذا قدموا مکۃ نزل البادی علی الحاضر حتی

---

(۱)۔ فقہاء، اقسام حج کے مسئلہ میں اور یہ کہ حج تمتع اس شخص پر واجب ہے جو مکہ سے ۴۸ میل کے فاصلہ پر ہو اس آیت کے ذریعہ ذلک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام ان روایات کی مدد سے جو آیت کے ذیل میں وارد ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ بعید نہیں ہے کہ حریم کعبہ حرم سے بھی زیادہ وسیع ہے، ۴۸ × ۴۸ میل ہے یعنی وہی حد ہے جو اس حج تمتع سے ماوراء ہے۔ عروۃ الوثقیٰ میں اقسام حج کی فصل کی طرف رجوع فرمائیں۔

يقضي حوائجه... و كان اول من علق علي بابه المصراعين معاوية بن ابي سفيان و ليس ينبغي لاحد ان يمنع الحاج شيئاً من الدور و منازلها.

پہلے کے لوگ ایسے تھے کہ جب مکہ میں داخل ہوتے تھے مسافر، مقیم مکہ کے پاس آتے تھے تاکہ اپنی حاجات پوری کریں...اور جس شخص نے اپنے دروازہ پر دو پٹ والے دروازے لگائے وہ معاویہ ابوسفیان تھا، اہل مکہ میں سے کسی شخص کے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ حاجیوں کو ان کے گھروں اور منازل میں آنے سے منع کرے۔

صاحب تفسیر صافی علل الشرائع سے نقل کرتے ہیں:

''لم يكن ينبغي ان يوضع علي دور مكة ابواب لان للحاج ان ينزلوا معهم في دورهم في ساحة الدار حتي يقضوا مناسكهم و ان اول من جعل لدور مكة ابواباً معاوية''۔

یہ مناسب نہیں تھا کہ مکہ کے گھروں میں دروازہ قرار دیں، اس لیے کہ حاجیوں کا مسلّم حق تھا کہ اہل مکہ کے صحن میں وارد ہوں تاکہ اعمال حج کو مکمل کریں اور سب سے پہلے جس نے مکہ کے گھروں میں دروازہ قرار دیا معاویہ تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ آج کے سعودی والے جو خود کو تابعِ قرآن کے عنوان سے متعارف کراتے ہیں معاویہ کے تابع فرمان ہیں جیسے اس کے اور بھی تمام ظلم و استبداد کے حصوں میں۔

معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا نقطہ نظر، یہ تھا کہ حرم مبارک تمام مسلمانوں سے متعلق ہے۔
سورہ حج کی آیہ کریمہ میں بالا مذکورہ آیت کے بعد ذکر ہوا ہے:

﴿و اذ بوّأنا لابراهيم مكان البيت أن لا تشرك بی شيئاً و طهّر بيتی للطائفين و القائمين والركع السجود﴾(۱)

"اور اس وقت کو یاد دلاؤ جب ہم نے ابراہیم کے لیے بیت اللہ کی جگہ مہیا کی کہ خبردار ہمارے بارے میں کسی طرح کا شرک نہ ہونے پائے اور ہمارے گھر کو طواف کرنے والے، قیام کرنے والے اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک و پاکیزہ بناؤ۔"

صاحب تفسیر صافی، کتاب کافی اور تہذیب سے نقل فرماتے ہیں:

"فينبغی للعبد ان لا يدخل مكة الّا وهو طاهر قد غسل عرقه و الاذی و تطهر"

پس مناسب ہے کہ بندہ مکہ میں داخل نہ ہو مگر یہ کہ وہ پاک و پاکیزہ، اس طرح سے کہ پسینہ اور اپنی تمام آلودگیوں سے پاک وصاف ہو کر وہاں جائے۔

یہ حدیث جناب بازرگان صاحب کے مقصود و مطلوب کی تائید کرتی ہے کہ وہ کہتے ہیں: حرم کے محیط کو پاک و پاکیزہ رکھنے کے لیے مقدمتاً خود اشخاص کا پاک و پاکیزہ ہونا ضروری ہے۔

---

(۱)۔ سورہ حج، آیت نمبر ۲۶۔

بعد والی آیت میں وارد ہوا ہے۔

﴿و اذن فی الناس بالحج یأتوک رجالاً و علی کل ضامر یأتین من کل فج عمیق﴾ (۱)

اور لوگوں کے درمیان حج کا اعلان کرو کہ لوگ تمہاری طرف پیدل اور لاغر سواریوں پر دور دراز علاقوں سے سوار ہو کر آئیں۔

بعض اہل ذوق و عرفان نے کہا ہے کہ: آیت میں ''یاتوک'' تمہارے نزدیک آئیں، ذکر ہوا ہے یہ اس لیے ہے کہ لوگ ولی کے مقام ولایت کی طرف توجہ پیدا کریں اور اس کے وجود ذی جود سے فیض حاصل کریں۔ لیکن ممکن ہے والی کی طرف توجہ پیدا کریں کہ انہیں چاہیے کہ ان کا اپنا ایک ہادی و رہبر اور ایک مرشد ہو، جیسا کہ صدر اسلام سے حجاج کی امارت ایک حکومتی منصب رہا ہے۔

ہمارے زمانہ میں ہر ایک مملکت سے ایک شخص کو بعنوان امیر الحاج بھیجتے ہیں وہ حقیقت میں امیر الحاج نہیں ہے، انجمن سرپرستی کا رئیس ہے۔ امیر الحاج تمام حجاج کرام کا سرپرست ہے، ہدایت و رہنمائی اور موعظہ و نصیحت کا فریضہ رکھتا ہے اور سب سے زیادہ مناسب شاید وہ شخص اس کی شائستگی و صلاحیت رکھتا ہے جو خود مکہ کی امارت و سرداری کا حامل ہو۔

---

(۱)۔ سورہ حج، آیت نمبر ۲۷۔

بعد والی آیت میں ذکر ہوا ہے: ﴿لیشهدوا منافع لهم﴾(۱) تا کہ اپنے منافع کا مشاہدہ کریں۔

تفسیر صافی میں وارد ہوا ہے کہ امام صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا: ''منافع الدنیا او منافع الآخرة؟ فقال: الکل '' دنیا کا منافع یا آخرت کے منافع کا مشاہدہ کریں؟ فرمایا: سب کا۔

صاحب تفسیر صافی عیون اخبار الرضا سے اس موضوع میں ایک جامع و مفصل حدیث نقل کرتے ہیں۔

تفسیر صافی میں ''و لیطوفوا بالبیت العتیق '' اور اس قدیم ترین مکان کا طواف کریں۔ ذیل والی آیت میں دو تین آیت کے بعد یہ حدیث ذکر ہوئی ہے:

''و عن الباقر علیه السلام انه سئل لم سمی الله البیت العتیق؟

قال: هو بیت حرّ عتیق من الناس لم یملکه احد''

''امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ خانۂ کعبہ کا کیوں عتیق (قدیم) نام رکھا گیا ہے؟ فرمایا: کیونکہ وہ ایسا گھر ہے جو تمام لوگوں سے آزاد ہے اور کوئی بھی شخص اس کا مالک نہیں ہے۔''

حریت کی تعبیر کے ذریعہ اور یہ کہ کوئی شخص اس کا مالک نہیں ہوسکتا اس کو مدنظر

---

(۱)۔ سورہ حج، آیت نمبر ۲۸۔

رکھتے ہوئے کہ حریم کعبہ، کعبہ کا حکم رکھتا ہے، امنیت میں بھی ﴿و اذ جعلنا البیت مثابة للناس و امناً﴾(۱) (اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے خانہ کعبہ کو ثواب اور امن کی جگہ بنایا)۔

واضح ہے کہ صرف خانہ کعبہ جائے امن نہیں ہے، حرم مقام امن ہے اور قبلہ ہونے میں بھی جیسا کہ قرآن سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۴۴ میں فرماتا ہے: ﴿فول وجهك شطر المسجد الحرام﴾ لہذا آپ اپنا رخ مسجد الحرام کی جہت کی طرف موڑ دیجیے۔ واضح طور پر خود کعبہ قبلہ ہے لیکن مسجد الحرام بھی قبلہ سے خارج نہیں ہے قبلہ کے میدان سے خارج نہیں ہے۔ اسی طرح مبارک ہونے (ان اول بیت وضع للناس للذی ببکة مبارکاً) کی یہ جہت بھی تمام شہر مکہ بلکہ تمام حرم پر مشتمل ہے اسی طرح حریت کعبہ کا موضوع بھی ہے یعنی اس کا اسلامی بین الاقوامی ہونا۔

بہترین تعبیر وہی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی تعبیر ہے اور ہمیں چاہیے کہ ہمیشہ اسی تعبیر کو بروئے کار لائیں۔

۶۔ وہ آیات جو قرآن میں کعبہ اور حج کے متعلق وارد ہوئی ہیں:

سورۂ بقرہ، آیت نمبر ۱۲۵ اور ۱۲۶۔

﴿وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ

---

(۱)۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۲۵۔

إِبْـرَاهِيـمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّـائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ. وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا...﴾

''اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے خانۂ کعبہ کو ثواب اور امن کی جگہ بنایا اور حکم دے دیا کہ مقام ابراہیم کو مصلی بناؤ اور ابراہیم و اسماعیل سے عہد لیا کہ ہمارے گھر کو طواف اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک و پاکیزہ بنائے رکھو۔ اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم نے دعا کی کہ پروردگار اس شہر کو امن کا شہر قرار دے دے اور اس کے ان اہل شہر کو جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہوں پھلوں کا رزق عطا فرما ارشاد ہوا کہ پھر جو کافر ہو جائیں گے انہیں دنیا میں تھوڑی نعمتیں دے کر آخرت میں عذاب جہنم میں زبردستی ڈھکیل دیا جائے گا جو بدترین انجام ہے۔''

نیز سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۴۲: ﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا...﴾ آیات قبلہ کے آخر تک۔

''عنقریب احمق لوگ یہ کہیں گے کہ ان مسلمانوں کو اس قبلہ سے کس نے موڑ دیا ہے جس پر پہلے قائم تھے (بیت المقدس سے کعبہ کی طرف متوجہ کیا) تو اے پیغمبر! کہہ دیجیے کہ مشرق و مغرب سب خدا کے ہیں (جس جہت کو مصلحت جانتا ہے قبلہ بنا دیتا ہے) وہ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت دے دیتا ہے۔

نیز سورۂ بقرہ، آیت نمبر ۱۹۶۔۲۰۳:

﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ ... الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ ... لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ ... ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ ... فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ ... فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا ... وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ... أُولَئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِمَّا كَسَبُوا ... وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ﴾

''حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے تمام کرو اب اگر گرفتار ہو جاؤ تو جو قربانی ممکن ہو دے دو اور اس وقت تک سر نہ منڈاو جب تک قربانی اپنی منزل تک نہ پہنچ جائے۔ اب جو تم میں سے مریض ہے یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہے تو وہ روزہ یا صدقہ یا قربانی دے دے پھر جب اطمینان ہو جائے تو جس نے عمرہ سے حج تمتع کا ارادہ کیا ہے وہ ممکنہ قربانی دے دے اور قربانی نہ دے سکے تو تین روزے حج کے دوران اور سات واپس آنے کے بعد رکھے کہ اس طرح دس پورے ہو جائیں۔ یہ حج تمتع اور قربانی ان لوگوں کے لیے جن کے اہل مسجد الحرام کے حاضر شمار نہیں ہوتے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ یاد رکھو کہ خدا کا عذاب بہت سخت ہے (وقت) حج چند مقررہ مہینوں میں ہوتا ہے اور جو شخص بھی اس زمانے میں اپنے اوپر حج لازم کرلے اسے عورتوں سے مباشرت، گناہ اور جھگڑے کی اجازت نہیں ہے اور تم جو بھی خیر کرو گے خدا اسے جانتا ہے۔ اپنے لیے زاد راہ فراہم کرو کہ

بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے اور اے صاحبانِ عقل! ہم سے ڈرو۔ تمہارے لیے کوئی حرج نہیں ہے کہ اپنے پروردگار کے فضل و کرم کو تلاش کرو۔ پھر جب عرفات سے کوچ کرو تو مشعر الحرام کے پاس ذکرِ خدا کرو اور اس طرح ذکر کرو جس طرح اس نے ہدایت دی ہے اگرچہ تم لوگ اس کے پہلے گمراہوں میں سے تھے۔ پھر تمام لوگوں کی طرح تم بھی کوچ کرو اور اللہ سے استغفار کرو کہ اللہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ پھر جب سارے مناسک تمام کر لو تو خدا کو اسی طرح یاد رکھو جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ پروردگار ہمیں دنیا میں بھی نیکی عطا فرما اور آخرت میں بھی اور ہم کو عذابِ جہنم سے محفوظ فرما۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے ان کی کمائی کا حصہ ہے اور خدا بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔ اور چند معین [راتوں اور] دنوں میں ذکرِ خدا کرو اس کے بعد جو دو دن کے اندر جلدی کرے گا اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے اور جو تاخیر کرے گا اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے بشرطیکہ (محرماتِ احرام سے) پرہیز گار رہو اور اللہ سے ڈرو اور یاد رکھو کہ تم سب اسی کی طرف محشور کیے جاؤ گے۔"

نیز سورۂ آلِ عمران آیت نمبر ۹۶۔۹۷۔

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ ... فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ ...﴾

"بے شک سب سے پہلا مکان جو لوگوں کے لیے بنایا گیا ہے وہ بکہ ہے مبارک

ہے اور عالمین کے لیے مجسم ہدایت ہے۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں (منجملہ) مقام ابراہیم ہے اور جو اس میں داخل ہو جائے گا وہ محفوظ ہو جائے گا اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا واجب ہے اگر اس راہ کی استطاعت رکھتے ہوں اور جو کافر ہو جائے تو خدا تمام عالمین سے بے نیاز ہے۔''

نیز سورۂ مائدہ آیت نمبر ۹۴۔۹۷:

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَیَبْلُوَنَّکُمُ اللّٰهُ بِشَیْءٍ مِنَ الصَّیْدِ تَنَالُهُ أَیْدِیکُمْ ... یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ... أُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ... جَعَلَ اللّٰهُ الْکَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیَامًا لِلنَّاسِ...﴾

''اے ایمان والو! اللہ ان شکاروں کے ذریعہ تمہارا امتحان ضرور لے گا جن تک تمہارے ہاتھ اور نیزے پہنچ جاتے ہیں تاکہ وہ یہ دیکھے کہ اس سے لوگوں کے غائبانہ میں بھی کون کون ڈرتا ہے پھر جو اس کے بعد بھی زیادتی کرے گا اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اے ایمان والو! حالتِ احرام میں شکار کو نہ مارو اور جو تم میں قصداً ایسا کرے گا اس کی سزا انہیں جانوروں کے برابر ہے جنہیں قتل کیا ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل افراد کریں اور اس قربانی کو کعبہ تک جانا چاہیے یا مساکین کے کھانے کی شکل میں کفارہ دیا جائے یا اس کے برابر روزے رکھے جائیں تاکہ اپنے کام کے انجام کا مزہ چکھیں۔ اللہ نے گزشتہ معاملات کو معاف کر دیا ہے لیکن اب جو دوبارہ شکار کرے گا تو (اب کفارہ نہیں ہے بلکہ) اس سے انتقام لے گا اور وہ سب پر غالب آنے والا اور بدلہ لینے والا

ہے۔ تمہارے لیے دریائی جانور کا شکار کرنا اور اس کا کھانا حلال قرار دیا گیا ہے کہ تمہارے لیے اور قافلوں کے لیے فائدہ کا ذریعہ ہے اور تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے جب تک حالتِ احرام میں رہو اور اس خدا سے ڈرتے رہو جس کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ اللہ نے کعبہ کو جو بیت الحرام ہے اور محترم مہینے کو اور قربانی کے عام جانوروں کو اور جن جانوروں کے گلے میں پٹہ ڈال دیا گیا ہے سب کو لوگوں کے قیام وصلاح کا ذریعہ قرار دیا ہے تاکہ تمہیں یہ معلوم رہے کہ اللہ زمین و آسمان کی ہر شے سے باخبر ہے اور وہ کائنات کی ہر شے کا جاننے والا ہے (لہٰذا جو کچھ تمہیں حکم دیتا ہے وہ تمہاری ہی مصلحت کی خاطر ہے)۔"

نیز سورۂ انفال، آیت نمبر ۳۴۔۳۵:

﴿وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (۱) وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ . وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ...﴾

"[البتہ وہ لوگ عذاب کے سزاوار ہیں] اور ان کے لیے کون سی بات ہے کہ خدا ان پر عذاب نہ کرے جب کہ یہ لوگوں کو مسجد الحرام سے روکتے ہیں اور اس کے متولی بھی نہیں ہیں اس کے ولی صرف متقی اور پرہیزگار افراد ہیں لیکن ان کی اکثریت ان سے بھی بے خبر ہے۔ ان کی تو نماز بھی مسجد الحرام کے پاس صرف

---

(۱)۔ یہاں خاص عنایت یہ ہے کہ مسجد الحرام کسی کی ملکیت نہیں بلکہ آزاد ہے۔

تاتی اور سیٹی ہے لہٰذا اب تم لوگ اپنے کفر کی بنا پر عذاب کا مزہ چکھو۔‘‘

نیز سورہ قصص، آیت نمبر ۵۷۔۵۹:

﴿وَقَالُوا إِنْ نَتَّبِعِ الْهُدَى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ أَرْضِنَا أَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا ... وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا ... وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَى حَتَّى يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا ...﴾

’’اور یہ کفار کہتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ حق کی پیروی کریں گے تو اپنی زمین سے اچک لیے جائیں گے۔ تو کیا ہم نے انہیں ایک محفوظ حرم پر قبضہ نہیں دیا ہے جس کی طرف ہر شے کے پھل ہماری دی ہوئی روزی کی بنا پر چلے آرہے ہیں (اس کے بعد بھی ہم ان کے امن وامان کو محفوظ کر سکتے ہیں) لیکن ان کی اکثریت سمجھتی ہی نہیں ہے۔ اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ان کی معیشت کے غرور کی بنا پر ہلاک کر دیا اب یہ ان کے مکانات ہیں جو ان کے بعد پھر آباد نہ ہو سکے مگر بہت کم اور درحقیقت ہم ہی ہر چیز کے وارث اور مالک ہیں۔ اور آپ کا پروردگار کسی بستی کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب تک کہ اس کے مرکز میں کوئی رسول نہ بھیج دے جو ان کے سامنے ہماری آیات کی تلاوت کرے اور ہم کسی بستی کے تباہ کرنے والے نہیں ہیں مگر یہ کہ اس کے رہنے والے ظالم ہوں۔‘‘

نیز سورۂ ابراہیم آیت نمبر ۳۵۔۴۰:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا ... رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ ... رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ ... رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نُعْلِنُ ... الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي ... رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ ...﴾

''اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم نے کہا کہ پروردگار اس شہر کو محفوظ بنادے اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچائے رکھنا۔ پروردگار ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کردیا ہے تو اب جو میرا اتباع کرے گا وہ مجھ سے ہوگا اور جو معصیت کرے گا اس کے لیے تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ پروردگار میں نے اپنی ذریت میں سے بعض کو تیرے محترم مکان کے قریب بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ دیا ہے تاکہ نمازیں قائم کریں اب تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف موڑ دے اور انہیں پھلوں کا رزق عطا فرماتا کہ وہ تیرے شکر گزار بندے بن جائیں۔ پروردگار ہم جس بات کا اعلان کرتے ہیں یا جس کو چھپاتے ہیں تو سب سے باخبر ہے اور اللہ پر زمین و آسمان میں کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی۔ شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل و اسحاق جیسی اولاد عطا کی ہے کہ بے شک میرا پروردگار دعاؤں کا سننے والا ہے۔ پروردگار مجھے اور میری ذریت میں نماز قائم کرنے والا قرار دے اور پروردگار میری دعا کو قبول فرما۔''

۷۔ وسائل، ج ۲، ص ۱۳۶، حدیث ۱۵:

''فی العلل و عیون الاخبار باسانید تأتی عن الفضل بن شاذان عن الرضا علیه السلام فی حدیث طویل قال: انما امروا بالحج لعلة الوفادة الی اللّٰه عزوجل و طلب الزیادة و الخروج من کل ما اقترف العبد تائباً مما مضی مستأنفاً لما یستقبل مع ما فیه من اخراج الاموال و تعب الابدان و الاشتغال عن الاهل و الولد و حظر النفس عن اللذات شاخصاً فی الحر و البرد ثابتاً علی ذلک دائماً، مع الخضوع و الاستکانة و التذلل مع ما فی ذلک لجمیع الخلق من المنافع لجمیع من فی شرق الارض و غربها و من فی البر و البحر ممن یحج و ممن لا یحج من بین تاجر و جالب و بایع و مشتر و کاسب و مسکین و مکار و فقیر و قضاء حوائج اهل الاطراف فی المواضع الممکن لهم الاجتماع فیه مع ما فیه من التفقه و نقل اخبار الائمة فی کل صقع و ناحیة، کما قال اللّٰه عزوجل: فلو لا نفر من کل فرقة... و لیشهدوا منافع لهم''

''کتاب علل الشرائع اور عیون الاخبار الرضا علیہ السلام میں چند سند کے ساتھ فضل بن شاذان نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے ایک طولانی و مفصل حدیث نقل کی ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا: لوگوں کو حج کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر (کے مقدس دربار) میں حاضری کا شرف حاصل کریں اس سے (اپنی زندگی

کی مسرتوں اور سعادتوں میں) اضافہ کی درخواست کریں ، بندوں سے گزشتہ زمانہ میں جو گناہ سرزد ہوئے ہوں ان سے توبہ و استغفار کر کے آزادی حاصل کریں ، اور آئندہ زمانہ میں از سرِ نو (کارِ خیر) کی انجام دہی کا آغاز کریں۔ اس کے ساتھ (انسان راہ خدا میں اپنا) مال بھی خرچ کرتا ہے جسمانی مشقت بھی تحمل کرتا ہے نیز اپنے اہل و عیال سے دوری اختیار کرتا ہے ، مزید مختلف (زندگی کی) لذتوں سے خود کو محروم رکھتا ہے۔ انسان سردی ہو یا گرمی (رضائے الٰہی کی خاطر اپنے گھر سے) نکل پڑتا ہے اور تمام حج میں ہمیشہ اس پر گامزن رہتا ہے خضوع و خشوع اور عاجزی و انکساری کو خدا کے سامنے ظاہر کرتا ہے۔ ان انفرادی خصوصیات کے علاوہ حج کے اجتماعی فائدے بھی بے شمار ہیں۔ تمام سرزمین مشرق و مغرب میں بسنے والے یا خشکی اور دریا میں زندگی بسر کرنے والے خواہ وہ حج انجام دے رہے ہوں یا نہیں ، تجارت کرنے یا بیچنے یا خریدنے والے ہوں کام کرنے والے ہوں یا تہی دست کرایہ پر لوگوں کو رفت و آمد کرانے والے ہوں یا تنگ دست و فقیر ہوں (زمانۂ حج میں ان سب ہی افراد کو) انواع و اقسام کے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ اور جن مقامات پر لوگوں کے جمع ہونے کا موقع ہوتا ہے ، وہاں کے اطراف و جوانب کے لوگوں کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ لوگوں کو اپنی باتیں سمجھنے اور ائمہ طاہرین کے ارشادات کو تمام اطراف و اکناف تک پہنچانے کا موقع بھی فراہم ہوتا ہے جیسا کہ خداوند متعال نے فرمایا: ”تو ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ہر گروہ سے کچھ لوگ نکلیں (سفر کی صعوبتیں

تحمل کریں اور صاحبان علم کے ذریعہ) دین میں فہم وفراست حاصل کریں، پھر جب اپنی قوم کی طرف واپس جائیں تو انہیں (عذاب کی باتوں سے) ڈرائیں، تاکہ ان لوگوں کے دلوں میں خوف پیدا ہو؟'' اور فرمایا...تاکہ اپنے منافع کا مشاہدہ کریں۔''

نیز ص ۱۳۷، حدیث ۱۷:

''عن هشام بن الحكم قال: سألت ابا عبد الله عليه السلام فقلت: ما العلة التى من اجلها كلف العباد الحج و الطواف بالبيت؟ فقال: ان اللّٰه خلق الخلق، الى ان قال: و امرهم بما يكون من امر الطاعة فى الدين و مصلحتهم من امر دنياهم فجعل فيه الاجتماع من الشرق و الغرب ليتعارفوا و لينزع كل قوم من التجارات من بلد الى بلد و لينتفع بذلک المكارى و الجمّال و لتعرف اثار رسول اللّٰه و تعرف اخباره و يذكر ولاينسى ولو كان كل قوم انما يتكلمون(۱) على بلادهم وما فيهم هلكوا و خربت البلاد و سقطت الجلب و الارباح و عميت الاخبار و لم يقفوا (ظ) على ذلک. فذلک علة الحج''

---

(۱)۔ يتكلون (ظ)

''[ہشام ابن حکم ناقل ہیں: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اللہ نے لوگوں کو حج کرنے اور اپنے گھر کا طواف کرنے کا کیوں حکم دیا ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا: خدا نے انسانوں کو پیدا کیا...اور انہیں ایک ایسے عمل (حج) کا حکم دیا جو اطاعتِ دین اور ان کے دنیاوی فوائد کا ماحصل ہے۔ موسم حج میں مسلمان مشرق و مغرب سے آ کر ایک دوسرے سے ملتے ہیں تا کہ وہ آپس میں شناسائی پیدا کریں اور ہر قوم دوسری اقوام کو تجارتوں اور لائے ہوئے اقتصادی اموال سے استفادہ کرنے نیز نقل و حمل کرنے والے مسافر کرایہ دے کر اپنے منتقل ہونے والے ذرائع و اسباب سے بہرہ مند ہوں اور اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار و اخبار سے آشنا ہوں اور یہ آثار اس طرح زندہ رہیں اور فراموشی کا شکار نہ ہو جائیں۔ اگر بنا یہ ہو کہ ہر قوم صرف اپنے علاقہ کے متعلق گفتگو کرے تو وہ ہلاک ہو جائے شہر ویران ہو جائے۔ فوائد اور تجارتی منافع ختم ہو جائیں اور اخبار و آثار پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نابود ہو جائیں... یہ ہے حج کا فلسفہ۔''

مزید ص ۱۳۷، باب ۴، حدیث ۲:

''كان عليّ صلوات الله عليه يقول لولده: يا بنيّ، انظروا بيت ربكم فلا يخلونّ منكم فلا تناظروا''

''حضرت علی علیہ السلام اپنے فرزندوں کو (وصیت) فرماتے ہیں: اے میرے بیٹو! اپنے

پروردگار کے بیت الشرف کو مدنظر رکھنا ہرگز اس بات کی اجازت نہ دینا کہ وہ تمہارے وجود سے خالی ہو جائے کہ اس صورت میں تمہیں مہلت بھی نہیں دی جائے گی''۔

نیز حدیث ۵:

امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے: ''لا یزال الدین قائما ما قامت الکعبۃ'' (۱)

''امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جب تک خانہ کعبہ قائم رہے گا دین اسلام بھی قائم و دائم رہے گا۔''

نیز حدیث ۸:

''عن عبد الرحمن بن ابی عبد اللّٰہ قال: قلت لابی عبد اللّٰہ علیہ السلام: ان ناساً من ھؤلاء القصّاص یقولون: اذا حج الرجل حجۃ ثم تصدق و وصل کان خیراً لہ. فقال: کذبوا، لو فعل ھذا الناس لعطّل ھذا البیت، ان اللّٰہ عزوجل جعل ھذا البیت قیاماً للناس''

''عبدالرحمٰن بن ابی عبداللہ کا بیان ہے: امام جعفر صادق علیہ السلام سے میں نے عرض کیا: قصہ گو افراد میں سے بعض کہتے ہیں: جب بھی انسان حج انجام دے پھر صدقہ دے اور پھر اس کام کو مسلسل انجام دے (حج کا پیسہ صدقہ دے اور حج کے لیے نہ جائے) اس کے لیے بہتر ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: جھوٹ کہتے ہیں، اگر

---

(۱)۔ ظاہراً یہ حدیث اس آیہ کریمہ ''جعل اللّٰہ الکعبۃ البیت الحرام قیاماً للناس'' کے پیش نظر وارد ہوئی ہے۔

لوگ اس طرح کریں تو یہ گھر [فریضۂ حج] معطل ہو جائے گا درحالیکہ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو لوگوں کے امور کے لیے قیام اور اصلاح کرنے کا سبب قرار دیا ہے۔"

صاحب وسائل نے ص ۱۳۸ میں اس عنوان کے تحت ایک باب قائم کیا ہے:

باب وجوب اجبار الوالی الناس علی الحج و زیارة الرسول والاقامة بالحرمین کفایة و وجوب الانفاق علیهم من بیت المال ان لم یکن لهم مال.

منجملہ اس حدیث کو نقل کرتے ہیں:

"عن ابی عبد اللّٰہ قال: لو ان الناس ترکوا الحج لکان علی الوالی ان یجبرهم علی ذلک و علی المقام عنده ولو ترکوا زیارة النبی لکان علی الوالی ان یجبرهم علی ذلک و علی المقام عنده فان لم یکن لهم اموال انفق علیهم من بیت مال المسلمین"

"امام صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اگر لوگ حج ترک کردیں تو حاکم انہیں مجبور کرے وہ جس مقام پر جہاں کہیں بھی ہوں اور اگر لوگ زیارت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ترک کریں تو حاکم انہیں بھی مجبور کرے وہ جس مقام پر جہاں کہیں بھی ہوں اور اگر ان کے پاس خرچ نہ ہو تو انہیں مسلمانوں کے بیت المال سے خرچ دیا جائے"۔

نیز ص ۱۳۹ حدیث، امام کے سلسلہ میں امیر المومنین علی علیہ السلام کا خوارج کے ساتھ

احتجاج اور امام کو کعبہ کے ساتھ مقایسہ کرنے میں مزید امیر المومنین علیہ السلام کی حدیث ''الکعبة یؤتی ولا یاتی '' [خانۂ کعبہ کے پاس لوگ آتے ہیں وہ لوگوں کے پاس نہیں جاتا] کا نقل کرنا۔

نیز ص ۱۴۲، باب ۲۲، حدیث ۸:

''عن ابان بن تغلب قال: قلت لابی عبد اللّٰہ علیہ السلام: جعل اللّٰہ الکعبة البیت الحرام قیاماً للناس. قال: جعلھا اللّٰہ لدینھم و معایشھم.''

''ابان بن تغلب کا بیان ہے: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کے معنی دریافت کیے کہ: اللہ تعالیٰ نے محترم کعبہ کو لوگوں کے لیے قیام واصلاح کی جگہ قرار دیا ہے؟ فرمایا: اسے دین اور ان کی معیشت کے منافع کے لیے قرار دیا ہے۔''

۸۔ شمارہ ۵ کے ساتھ ضمیمہ کرتے ہوئے، تواریخ یا روایات میں نقل ہوا ہے کہ منصور دوانیقی (۱) نے مسجد الحرام کی وسعت دینے کا ارادہ کیا اور لوگ راضی نہیں ہوئے۔ پھر حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام سے سوال کیا گیا تو انہوں نے منع نہیں کیا اور فرمایا: لوگوں سے دریافت کریں کہ کیا تم لوگ پہلے سے تھے اور بعد میں اس مقام پر کعبہ اور مسجد وجود میں آئی (جیسے اور بھی دوسرے معابد و مساجد ہیں) یا پہلے کعبہ اور مسجد وجود میں آئی اور تم لوگ وہاں وارد ہوئے (اس مضمون جیسی گفتگو)؟ یہ ایک

---

(۱)۔ ظاہراً مہدی تھا نہ منصور، المیزان، ج ۳، ص ۳۹۳ کی طرف رجوع کریں۔

عجیب استدلال ہے اور بطور انحصار خانۂ کعبہ کے متعلق صادق آتا ہے، اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک غیر زراعی جگہ پر عبادت کے لیے گھر بنایا اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام کو تمام اہل جہان اور صاحبان توحید کے لیے قرار دیا اور یہ مطلب اس صورت میں بھی بیان ہوا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام ایک بلندی پر گئے اور لوگوں کو آواز دی اور یہ آواز سب کے، یہاں تک کہ جو اصلاب وارحام میں تھے گوش گزار ہوئی۔(۱)

بہر حال یہ تمام مطالب قرینہ ہیں کہ خانۂ کعبہ اور اس کی چار دیواری کو بین الاقوامی اسلامی پہلو کا حامل ہونا چاہیے اور اس مقام کے لیے کسی شخص کو ویزا یا اجازت نہیں لینی چاہیے، اسے اسلامی اقوام متحدہ کے مقام پر ہونا چاہیے۔

ہمارے لیے ضروری نہیں ہے کہ ہم ایک اسلامی حکومت کے منتظر رہیں۔ اس سے پہلے بھی اس گھر کو بعنوان اسلامی اقوام متحدہ (اسلامی یو.ان.او) کے استقرار کی جگہ قرار دینی چاہیے جیسے دنیا کے تمام مختلف بلاک (Block) والے بالاتفاق اقوام متحدہ کونسل قائم کیے ہوئے ہیں۔ ہمیں بھی ایسے ادارے قائم کرنے چاہیے پھر اس کونسل کو مختلف حصوں میں تقسیم ہونا چاہیے جیسے، شورای امنیت، بین الاقوامی ثقافتی ادارہ (یونسکو)، بین الاقوامی حفظان صحت کا ادارہ (W.H.O) وغیرہ پر مشتمل ہونا چاہیے۔

---

(۱)۔ تفسیر صافی سورۂ حج، آیۂ کریمہ ﴿و اذن فی الناس با لحج یاتوک﴾ کی طرف رجوع کریں۔

۹۔حرم کے لقطہ (گمشدہ شے) اور دوسری تمام گمشدہ چیزوں میں فرق پایا جاتا ہے۔فقہ کی طرف رجوع کریں۔

۱۰۔جس طرح حضرت امیر علیہ السلام کے نامۂ مبارک کے ضمن میں قثم ابن عباس کے لیے ذکر کیا گیا ہے کہ: تمام حجاج کرام پر لازم ہے کہ ہر سال ان کا امیر و رہبر ہونا چاہیے۔مروج الذہب مسعودی کی دوسری جلد میں زمانۂ رسالت سے کتاب کے زمانۂ تالیف والے سال تک تمام حج کے امیروں و رہبروں کا نام گرامی ذکر کیا گیا ہے۔ظاہر اُطالبین (۱) کی نقابت و سرداری کے منصب پر کہ جس پر سید رضیؒ کے والد اور دوسرے افراد فائز تھے یہ حصہ (امیر الحاج ہونا بھی) ان کے نصیب میں بھی رہا ہے۔

۱۱۔حج کے منجملہ آثار میں سے ایک اجتماعی ہم آہنگی کا پہلو بھی شامل ہے۔فرق پایا جاتا ہے کوئی شخص تنہا جائے جیسے عرفات میں دعا کے لیے جائے یا ایک ملین جمعیت کے ہمراہ ہو روحِ بشر کی خاصیت وطبیعت اجتماع کے ساتھ ہم آہنگی ہے کہ جسے ''محاکات'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

اسلام ،نفسیاتی پہلو سے بھی مذہبی ومعنوی ماحول جو مخفی احساسات کے برانگیختہ ہونے کا باعث ہے، اہمیت کا حامل ہے، محاکات اور مدنی الطبع ہونے کا مسئلہ بھی

---

(۱)۔ الاحکام السلطانیہ کی طرف رجوع کریں۔

علم الاجتماع کی نظر میں صرف فیزیکی و جسمانی پہلو کا حامل نہیں ہے بلکہ ایک قسم کا طبیعت میں ردّ عمل ہے، لیکن اس میں اس کے روحانی پہلو کا اضافہ کرنا چاہیے جو روح میں ایک استعداد پائی جاتی ہے اور بیداری کی محتاج ہے۔ اس وقت ہے کہ کبھی اس ردّعمل کی قوت اصل عمل کے سیکڑوں برابر ہو جاتی ہے:

﴿یکاد زیتھا یضیء ولو لم تمسسه نار﴾ [نور/۳۵] ''قریب ہے کہ اس کا روغن بھڑک اٹھے چاہے اسے آگ مس بھی نہ کرے۔''

۱۲۔ اسلامی ممالک کے استقلال میں اور انہیں استعماری طاقتوں کے چنگل سے نجات پانے کا بھی ایک اثر حج میں موجود ہے، جیسا کہ انڈونیشیا کے متعلق اوراق اور خطابات میں میں نے بیان کیا۔

۱۳۔ صرف تین چیزیں مسلمانوں کے درمیان باہمی ارتباط پیدا کرسکتی ہیں اور وہی ان کی وحدت کا ملاک و معیار بھی ہے: (۱) قرآن (۲) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور آنحضرتؐ کی تاریخ (۳) کعبہ اور حج۔ یہیں سے گلڈسٹون کے مشہور و معروف جملہ کی گہرائی و گیرائی کو جانا جا سکتا ہے جیسا کہ اس کا یہ مشہور قول ہے:

''مادام القرآن یتلی و محمد یذکر و الکعبة یحج فالنصرانیة علی خطر عظیم''

''جب تک قرآن کریم کی تلاوت ہوتی رہے گی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام زبانوں پر جاری رہے گا اور خانۂ کعبہ کا حج انجام پاتا رہے گا نصرانیت و عیسائیت عظیم

خطرہ سے دوچار رہے گی"۔

۱۴۔ حج اولاً و بالذات واجب ہے اس کی شرط استطاعت نہیں ہے، فقہی اصطلاح میں واجب کفائی ہے افراد کی استطاعت کے ساتھ مشروط نہیں ہے اور شاید یہ کہنا مناسب ہوگا کہ اجتماعی اور حکومتی طور پر واجب ہے اور اس کی شرط افراد کی استطاعت نہیں ہے۔ پس حقیقت میں واجب کفائی یا اجتماعی اور حکومتی ہے۔

اگر بعض افراد بہ قدر کفایت مستطیع ہو گئے ہوں تو ان پر واجب عینی ہو جائے گا۔ اگر اس پر عمل کیا تو درست اگر عمل نہیں کیا تو حاکم انہیں اس عمل کی انجام دہی کے لیے اجبار کرے گا۔

نماز و روزہ اس زمرہ سے نہیں ہیں کہ حاکم کے وظائف میں سے یہ ہو کہ ان پر اجبار نہ کرے۔ اور اگر مستطیع افراد نہ ملیں، تو حاکم کو چاہیے کہ بیت المال کا بجٹ اس کام کو انجام دینے کے لیے صرف کرے۔ صاحب وسائل نے بڑی خوب صورت تعبیر کی ہے جو ساتویں نمبر میں بیان کی جا چکی ہے کہ انہوں نے واجب کفائی سے تعبیر کیا تھا۔

۱۵۔ احرام، وہمی و خیالی افتخارات اور اپنے ذاتی اہداف و علامات سے دور کرنے کا رمز و راز ہے اور واقعی افتخارات کی طرف پلٹنے کا نام ہے۔ احرام یعنی اس فکر کی طرف پلٹنے کا نام ہے کہ یہ دیکھو کہ کیا ٹوپی کے علاوہ تمہارے درمیان کسی شخص کے پاس کوئی اور نشان پایا جاتا ہے طیبات ص ۶۷۵ میں سعدی کے بقول:

رہ طالبان و مردان کرم است ولطف و احسان

تو خود از نشان مردی مگر این کلاہ داری

بہ چہ خرمی و نازان گرو از تو برد ھامان

اگرت شرف ہمین است کہ مال و جاہ داری

بہ در خدای قربی طلب ای ضعیف ہمت

کہ نماند این تقرب کہ بہ پادشاہ داری

مردانگی رکھنے والے انسانوں کا راستہ لطف وکرم اور احسان کرنا ہے

تم خود مردانگی کی علامت ہو اگر تمہاری ذات میں مذکورہ صفات پائی جاتی ہوں

تم کس بات پر خوش وخرم اور نازاں ہو تمہاری اس دنیا سے ہامان کیا لے کر گیا

اگر تمہارے مال و جاہ رکھنے کا نام ہی شرف ہے

اے ضعیف ہمت انسان! اللہ تعالیٰ کا تقرب طلب کر

کہ یہ عام بادشاہوں کا قرب باقی رہنے والا نہیں ہے

حج، ذاتی تعینات اور وہمی وخیالی نیز اعتباری حصاروں اور غلافوں کو توڑنے کا نام ہے۔ سب ہی افراد کا ایک گھر کے اطراف طواف کرنا، ایک ہی فکر و ہدف اور عقیدہ کا رمز و راز ہے۔ تمام افراد کا ایک صحرا میں وقوف اختیار کرنا، ایک جیسا عمل کرنا اور ایک ساتھ حرکت کرنا ایک ہی راستہ اور ایک ہی ثابت اصل و مبدا کی طرف حرکت کرنے کا راز ہے۔ معاشرہ کو ایک ثابت اصول وضوابط رکھنا چاہیے اور اسی

اصول وضوابط کے تحت حرکت کرے۔

معاشرہ اس وقت ایک راستہ کی طرف حرکت کرے گا جب ایک ہی ہدف رکھتا ہو اور ہدف تک پہنچنے کا طریقہ ایک طرح مشخص کیا گیا ہو اس کے علاوہ نظم وضبط کی عادت اور حاکم کے امر کی اطاعت کا بھی حامل ہونا چاہیے، مزید لوگوں کے درمیان حسن تفاہم اور سوء ظن کا نہ پایا جانا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے: ﴿ثم افیضوا من حیث افاض الناس﴾(۱) ''پھر تمام لوگوں کی طرح تم بھی کوچ کرو'' اس آیت میں سب سے پہلے فیضان کی تعبیر وارد ہوئی ہے، چونکہ حجاج کرام اس صحرا میں دریا کی طرح موج مارتے ہیں۔ اس کے بعد قریش اور اہل خُمس سے کہتا ہے: آپ اپنے موقف کو جدا نہ کریں (وہ لوگ عرفات نہیں جاتے تھے اور مزدلفہ میں جو ظاہراً زیادہ بلند بھی ہے وہیں قیام کرتے تھے۔)

۱۶۔ طواف، نماز کے مثل ہے (الطواف بالبیت صلوٰة) اس میں نماز کی طرح نظم وضبط کا درس پایا جاتا ہے۔ اپنے اطراف کی طرف متوجہ ہونا اور ادھر اُدھر کی طرف رغبت کرنا اسی طرح وہاں گفتگو کرنا اور ہنسا رونا بھی منع ہے۔ (فقہ کی طرف رجوع کریں) اس کے علاوہ فقہ شیعہ کے مطابق داہنا شانہ ہمیشہ ایک خاص طریقہ سے کعبہ کی سمت ہونا چاہیے۔ یہاں تک کہ معمر ترین افراد کو بھی اسی نظم وضبط کا پابند ہونا چاہیے۔

---

(۱)۔ سورۂ بقرہ، آیہ ۱۹۹۔

۱۷۔ صفا و مروہ کے درمیان ہرولہ (تیز چلنا) غرور و تکبر توڑنے اور جلد اجابت کا رمز و راز اپنے مطلوب و مقصود کے پیچھے تیز دوڑنے کا نام ہے، راستہ میں غرور کے ساتھ چلنے سے برسرپیکار رہنا ہے: ﴿ولا تمش فی الارض مرحاً انک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا﴾ (۱) ''اور زمین میں ناز اور خود پسندی کے ساتھ نہ چلنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی بھی خود پسند اور ناز کرنے والے شخص کو دوست نہیں رکھتا۔''

۱۸۔ شیعہ فقہ میں رو بہ کعبہ یا پشت بہ کعبہ ہونا قضائے حاجت کی حالت میں جائز نہیں ہے۔ یہ کعبہ مکرمہ کے انتہائی احترام کی نشان دہی کرتا ہے۔

۱۹۔ حدیث کی صورت میں نقل ہوا ہے:

اذا حججت بمال اصله سحت فما حججت ولكن حجت البعير.
[جب کبھی ایسے مال سے حج کیا ہو جو حرام سے حاصل کیا گیا ہو تو درحقیقت تم نے حج انجام نہیں دیا ہے بلکہ تمہارے اونٹ نے حج کیا ہے۔]

اب یہ کہنا چاہیے: فما حججت ولكن حجت الموتور، حجت الطيارة و السيارة [تم نے حج نہیں کیا ہے بلکہ تمہاری گاڑی، ہوائی جہاز اور ٹیکسی نے حج کیا ہے]۔

---

(۱)۔ سورۂ اسراء، آیہ ۳۷۔

سعدی گلستان کے باب ہفتم حکایت نمبر۱۱ میں اس آیت ﴿فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج﴾ ''اور جو شخص بھی اس زمانے میں اپنے اوپر حج لازم کر لے اسے عورتوں سے مباشرت، گناہ اور جھگڑنے کی اجازت نہیں ہے'' کے پس منظر میں کہتے ہیں:

ایک سال پا پیادہ حج کے درمیان ایک قسم کا نزاع واقع ہوا اور داعی (رہنما) بھی اس سفر میں پا پیادہ تھا عدل وانصاف کے لیے ایک دوسرے سے مڈ بھیڑ ہوئی گناہ اور جھگڑے کی نوبت پہنچ گئی۔ میں نے ایک کجاوہ نشین کو اپنے ہم رتبہ والے سے یہ کہتے ہوئے سنا: ارے بڑے تعجب کی بات ہے، پا پیادہ حاجی عرصہ شطرنج کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں فرزین (FRACIN) ہو جاتے ہیں یعنی ان میں سے ہو جاتے ہیں کہ جن میں سے تھے اور جو پا پیادہ حاجی صحرا میں زندگی بسر کر رہے تھے وہ بدتر ہو گئے۔

از من بگوی حاجی مردم گزای را

کو پوستین خلق بہ آزار می درد

حاجی تو نیستی، شتر است از برای آنک

بیچارہ خار می خورد و بار می برد

میری طرف سے بتا دو اس حاجی کو جو لوگوں کو اذیت دیتا ہے اس کا نام ونشان کہاں ہے جو مخلوقات کی آبرو ریزی کرتا اور ان کو آزار و اذیت پہنچاتا ہے

حاجی تم نہیں ہو، تمہارا اونٹ ہے کیونکہ وہ بیچارہ خار کھاتا ہے اور بار اٹھاتا ہے۔

اب یہ کہنا چاہیے: حاجی تم نہیں ہو، بلکہ تمہاری گاڑی ہے اس لیے کہ وہ بیچاری پٹرول کھاتی ہے اور بار اٹھاتی ہے۔ ایک ہزل گو شاعر نے فرض کیا کہ اگر شتر کے لیے سجع مہری حکاکی کی ہوئی ہوتی، تو اصولاً کیا ہونا چاہیے تھا؟ زمانۂ قدیم میں یہ معمول تھا کہ لوگ حکاک کے پاس جاتے تھے تو اس کے لیے مہر ثبت حک کرتے تھے۔ کبھی حکاک لوگ شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے اور ایک شخص کے نام کے ضمن میں شعر کہتے تھے۔ علماء عام طور سے آیت یا کسی ذکر کو اپنی مہر کے سجع و قافیہ میں لاتے تھے جیسے: ﴿ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء﴾ (۱) یا: ان فتح اللہ قریب۔ کبھی یہ مہروں کی سجع بڑی دلچسپ ہو جاتی تھی۔ جیسے کہا گیا ہے: ایک شخص کا نام نور الدین اس کے والد کا نام نور اللہ اور اس کی ماں کا نام نور النساء تھا اس نے سجع مہری کرنا چاہا۔ حکاک نے ثبت کر دیا۔ خود میں نور اور میرے والد نور اور میری ماں نور۔ اگر نورہ لے جاؤں تو نورٌ علی نور۔ دوسرے شخص نے حکاک سے کہا: میری بیوی کے والد کا نام میری مہر میں ہو (اس کا افتخار اس کی بیوی کے والد سے وابستہ تھا) اور قرآن کے چار سوروں کا نام بھی ہو۔ خود اس کا نام رضا قلی اس کی بیوی کے والد کا نام میر مبارک تھا۔ حکاک نے ثبت کیا: مزمل، مدثر، قل اوحی، تبارک، رضا قلی افشار داماد میر مبارک۔

---

(۱)۔ سورۂ مائدہ، آیت ۵۴۔

بہر حال ہزل گو شاعر نے فرض کیا کہ اگر شتر کے لیے دکاک سے مہر کی سجع وقافیہ کے ساتھ کوئی طلب ہو تو اس کا جواب یہ ہے:

گاہ بارم خار باشد گاہ دُر یار حاجی عبدہ الراجی شتر

کبھی میرا بار، ہوتا ہے تو کبھی دُر حاجی عبدہ الراجی کا دوست اونٹ ہوتا ہے

لیکن اب حاجی کا دوست اونٹ نہیں ہے، گاڑی ہے۔ اس کے مہر کی سجع وقافیہ یہ ہوگا:

گاہ بارم بمب باشد گاہ دُر یار حاجی عبدہ الراجی موتور

کبھی میرا بار بم (Bomb) ہوتا ہے تو کبھی دُر حاجی عبدہ الراجی کا ساتھی گاڑی ہوتی ہے

۲۰۔ حضرت امیر علیہ السلام نے منجملہ قثم کے خطاب میں فرمایا: ''وذکرهم بایام اللہ''، یعنی ان کو موعظہ کرو اور انہیں تاریخ کی عبرتوں کو یاد دلاؤ، اس سفر میں معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام وقوف میں اس قسم کا استفادہ ہونا چاہیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجۃ الوداع کے موقع پر جو آپ کا آخری حج اور ایک لحاظ سے آنحضرت کا پہلا حج (فتح مکہ اور اسلامی حکومت قائم ہونے کے بعد) بھی تھا، انہوں نے ایسا ہی عمل کیا۔ اس سال خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امیر الحاج کے عہدہ پر فائز تھے۔

آنحضرتؐ کے اہم ترین خطابات وہی ہیں جو انہوں نے ایام حج میں انجام دیے۔ وہاں ایک شخص ترجمان بھی تھا جو مائیک کا کام انجام دے رہا تھا۔ ان خطابات کے لیے آقای کمرہ ای کے کتابچہ کی طرف رجوع کریں۔

۲۱۔ سب سے پہلا امیر الحاج عتاب ابن اسید تھا دوسرے سال حضرت امیر علیہ السلام

امیر الحاج تھے۔ اس سفر میں جو اہم کام انجام پایا، سورہ برائت کی قرائت تھی۔ اس سلسلہ میں تاریخ کی طرف رجوع فرمائیں کہ حضرت علیہ السلام کے ذریعہ کون کون سے امور انجام دیے گئے۔ بہر حال خطاب کا بہترین موقع ایام حج ہیں۔ وہ بھی حجاج کی رہبری کے ادارے کی طرف سے۔ اس زمان و مکان میں بہترین نشریات بھی منتشر ہونی چاہیے۔

۲۲۔ رمی جمرات (کنکریاں مارنا) اظہار نفرت کا رمز و راز ہے۔ کہا گیا ہے کہ وہاں تین خائن افراد کا مقبرہ ہے جو اصحاب فیل کے واقعہ میں دشمنوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے دوستوں کے ساتھ خیانت کی۔

اس امر میں کون سی شے مانع ہے کہ یہ اظہار نفرت ہر سال زیادہ سے زیادہ عظمت وشوکت کے ساتھ اجرا ہو۔ اور خائنین عصر کے مجسمہ یا تصویر کو وہاں نصب کیا جائے، مسلمان افراد ان کی تصویر کی طرف پتھر برسائیں؟ البتہ یہ فعل اس وقت بہتر ہے کہ جب ایک اسلامی حکومت کی تشکیل ہو اور ایک مسلم خائن کا انتخاب عمل میں آئے کہ جسے اسلامی رہبری کی کمیٹی نے تصویب کیا ہو۔

۲۳۔ تفسیر صافی سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۲۵ ﴿ان طھرا بیتی للطائفین و العاکفین و الرکع السجود﴾ ”میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لیے پاکیزہ بنائے رکھو“ کے ذیل میں صاحب تفسیر قمی نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے:

''لما بنی ابراهیم علیه السلام البیت و حج الناس شکت الکعبة الی اللّٰه تعالی ما تلقی من انفاس المشرکین. فاوحی اللّٰه تعالی الیها: قرّی کعبتی فانی ابعث فی اخر الزمان قوماً یتنظفون بقضبان الشجر و یتخللون''۔

جب ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی اور لوگوں نے حج انجام دیا تو خانہ کعبہ نے خدا کے حضور مشرکین کے دہن سے برآمد ہونے والی بدبو کا شکوہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی اور فرمایا:

میرے کعبہ! تم ٹھہرے رہو میں آخری زمانہ میں ایک قوم مبعوث کروں گا جو درختوں کی شاخوں سے مسواک اور خلال کرے گی (پھر ان کے دہن سے بدبو نہیں آئے گی)۔

وفی العلل و العیاشی عنه علیه السلام انه سئل: ایغتسلن النساء اذا اتین البیت؟ قال: نعم ان اللّٰه تعالی یقول: "طهرا بیتی للطائفین و العاکفین و الرکع السجود" فینبغی للعبد ان لا یدخل الّا و هو طاهر قد غسل عنه العرق و الاذی و تطهر۔

علل الشرائع اور تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل ہوئی ہے کہ حضرتؑ سے سوال کیا گیا کہ کیا جب عورتیں بیت اللہ میں آئیں تو وہ بھی غسل کر کے آئیں؟ فرمایا: ہاں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میرے گھر کو

طواف، اعتکاف اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاکیزہ بنائے رکھو"۔ لہٰذا بہتر ہے کہ بندہ حرم میں داخل نہ ہو مگر یہ کہ پاک و پاکیزہ ہو، اپنی آلودگی اور پسینہ دھو کر خود کو صاف ستھرا بنائے۔

۲۴۔ قربانی کس فعل کا رمز و راز ہے؟ کیا صرف اہل حرم کی مدد کی خاطر ہے جیسا کہ فرماتا ہے: و اطعموا البائس الفقیر یا: و اطعموا القانع و المعتر، "اور قناعت کرنے والے اور مانگنے والے سب غریبوں کو کھلاؤ" یا حیوانی نفس کو قتل کرنے کا رمز و راز ہے یا کسی اور شے کا راز ہے؟

۲۵۔ ابن ابی العوجاء کی مشہور داستان یا اور دوسرے زندیقوں کی داستان کی طرف رجوع کریں جو مسلمانوں کے عمل طواف کا مسخرہ کرتے تھے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا: الی کم تدوسون ھذا البیدر؟(۱)

۲۶۔ حج کے نوٹس (NOTES) کی طرف رجوع کیا جائے۔

۲۷۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱:

و فرض علیکم حج بیته الحرام الذی جعله قبلة للانام، یردونه ورود الانعام ویألهون الیه ولوه الحمام و جعله سبحانه علامة لتواضعهم لعظمته و اذعانهم لعزته و اختار من خلقه سمّاعاً اجابوا

---

(۱)۔ الکنیٰ والالقاب، ابن ابی العوجاء کے ذیل میں۔

الیہ دعوتہ و صدقوا کلمتہ و وقفوا مواقف انبیائہ و تشبھوا بملائکتہ المطیفین (۱) بعرشہ، یحرزون الارباح فی متجر عبادتہ و یتبادرون عند موعد مغفرتہ، جعلہ سبحانہ و تعالی للاسلام علماً و للعائذین حرماً. فرض حجہ و اوجب حقہ و کتب علیکم وفادتہ، فقال سبحانہ: و للّٰہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلاً و من کفر فان اللّٰہ غنی عن العالمین۔

''پروردگار نے تم لوگوں پر حج بیت اللہ الحرام کو واجب قرار دیا ہے جسے لوگوں کے لیے قبلہ بنایا ہے اور جہاں لوگ پیاسے اونٹوں کی طرح بے تابانہ وارد ہوتے ہیں اور ایسا انس رکھتے ہیں جیسے کبوتر اپنے آشیانہ سے انس رکھتا ہے حج بیت اللہ کو مالک نے اپنی عظمت کے سامنے جھکنے کی علامت اور اپنی عزت کے ایقان (یقین) کی نشانی قرار دیا ہے اس نے مخلوقات میں سے ان بندوں کا انتخاب کیا ہے جو اس کی آواز سن کر لبیک کہتے ہیں اور اس کے کلمات کی تصدیق کرتے

---

(۱)۔ عاشقان در سیل تند افتادہ اند   بر قضای عشق دل بنھادہ اند

ہمچو سنگ آسیا اندر مدار   روز و شب گردان و نالان بی قرار

عاشقین تیز سیلاب میں گر پڑے ہیں   عشق کی قضا پر دل رکھے ہوئے ہیں

جیسے چکی کا پتھر اس کے اندر گھومتا ہے   اسی طرح عاشقین شب و روز بے قرار نالہ کناں چکر لگاتے ہیں۔

ہماری حرکت دو طرح کی ہوتی ہے: (۱) براہ راست حرکت (۲) دورانی حرکت۔ دورانی حرکت عشق و جاذبہ کی علامت اور اس کی نمائندگی کرتی ہے، برعکس اس تصور کے جو قدماء کرتے تھے۔

ہیں۔ انہوں نے انبیاء کے مواقف میں وقوف کیا ہے اور طواف عرش کرنے والے فرشتوں کا انداز اختیار کیا ہے۔ یہ لوگ اپنی عبادت کے معاملہ میں برابر فائدہ حاصل کر رہے ہیں اور مغفرت کی وعدہ گاہ کی طرف تیزی سے سبقت کر رہے ہیں۔ پروردگار نے کعبہ کو اسلام کی نشانی اور بے پناہ افراد کی پناہ گاہ قرار دیا ہے۔ اس کے حج کو فرض کیا ہے اور اس کے حق کو واجب قرار دیا ہے تمہارے اوپر اس گھر کی حاضری کو لکھ دیا ہے اور صاف اعلان کر دیا ہے کہ "اللہ کے لیے لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ اس کے گھر کا حج کریں جس کے پاس بھی اس راہ کو طے کرنے کی استطاعت پائی جاتی ہو۔ اور جو کافر ہو جائے تو خدا تمام عالمین سے بے نیاز ہے۔

۲۸۔ نہج البلاغہ، حکمت ۲۵۲:

"فرض اللّٰہ الایمان تطهیراً من الشرک و الصلوة تنزیهاً عن الکبر و الزکوة تسبیباً للرزق و الصیام ابتلاء لاِخلاص الخلق و الحج تقربة (۱) للدین و الجهاد عزّاً للاسلام و الامر بالمعروف مصلحة للعوام و النهی عن المنکر ردعاً للسفهاء و صلة الرحم منماة للعدد و القصاص حقناً للدماء و اقامة الحدود اعظاماً للمحارم و ترک شرب الخمر تحصیناً للعقل و مجانبة السرقة ایجاباً

---

(۱)۔ تقویۃ (نسخہ بدل)۔

للعفة و ترک الزنا تحصیناً للنسب و ترک اللواط تکثیراً للنسل و الشهادة استظهاراً علی المجاحدات و ترک الکذب تشریفاً للصدق و السلام اماناً من المخاوف و الامانة نظاماً للامة و الطاعة تعظیماً للامامة۔''

''اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لازم قرار دیا ہے شرک سے پاک کرنے کے لیے۔ اور نماز کو واجب کیا ہے غرور سے باز رکھنے کے لیے، زکوٰۃ کو فقیروں کے لیے رزق کا وسیلہ قرار دیا ہے اور روزہ کو بندوں کے اخلاص کی آزمائش کا وسیلہ بنایا۔ حج کو تقویت دین کا ذریعہ قرار دیا۔ جہاد کو اسلام کی عزت کے لیے رکھا ہے اور امر بالمعروف کو عوام کی اصلاح کے لیے۔ نہی عن المنکر کو بیوقوفوں کو برائیوں سے روکنے کے لیے واجب کیا ہے اور صلۂ رحم اقربا کے عدد میں اضافہ کے لیے۔ قصاص خون کے تحفظ کا وسیلہ ہے اور حدود کا قیام و اجرا محرمات کی اہمیت کے سمجھانے کا ذریعہ۔ شراب خواری کو عقل کی حفاظت کے لیے حرام قرار دیا ہے اور چوری سے اجتناب کو عفت کی حفاظت کے لیے لازم قرار دیا ہے۔ ترک زنا کا لزوم نسب کی حفاظت کے لیے ہے اور ترک لواط کی ضرورت نسل کی بقا کے لیے ہے۔ گواہیوں کو انکار کے مقابلہ میں ثبوت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے اور ترک کذب کو صدق کی شرافت کا وسیلہ ٹھہرایا گیا ہے۔ قیام امن کو خطروں سے تحفظ کے لیے رکھا گیا ہے اور امامت کو ملت کی تنظیم کا وسیلہ قرار دیا گیا ہے اور پھر اطاعت کو عظمتِ امامت کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔''

۲۹۔نہج البلاغہ، باب مکتوب شمارہ ۴۷ میں (ومن وصیتہ لہ علیہ السلام للحسن و الحسین علیہما السلام لما ضربہ ابن ملجم لعنہ اللّٰہ)
آپ کی حسن وحسین علیہما السلام سے وصیت جس وقت آپ کو ابن ملجم ملعون نے ضربت لگائی:

... و اللّٰہ اللّٰہ فی القرآن لا یسبقکم بالعمل بہ غیرکم، و اللّٰہ اللّٰہ فی الصلوۃ فانہا عمود دینکم، و اللّٰہ اللّٰہ فی بیت ربکم لا تخلوہ ما بقیتم فانہ ان ترک لم تناظروا (۱).

...دیکھو اللہ سے ڈرو قرآن کے بارے میں کہ اس پر عمل کرنے میں دوسرے لوگ تم سے آگے نکل جائیں۔ اور اللہ سے ڈرو نماز کے بارے میں کہ وہ تمہارے دین کا ستون ہے اور اللہ سے ڈرو اپنے پروردگار کے گھر کے بارے میں کہ جب تک زندہ رہو اسے خالی نہ ہونے دو کہ اگر اسے چھوڑ دیا گیا تو تم دیکھنے کے لائق نہ رہ جاؤ گے یعنی تمہیں عذاب سے مہلت نہ دی جائے گی [اپنی عزت وشوکت کو ہاتھ سے دے بیٹھو گے]۔

---

(۱)۔ای لا ینظر الیکم بالکرامۃ لامن اللّٰہ ولا من الناس لاہمالکم فرض دینکم. عبدہ
یعنی تمہیں کرامت کی نظر سے نہیں دیکھا جائے گا نہ ہی اللہ کی طرف سے اور نہ ہی لوگوں کی طرف سے چونکہ تم لوگوں نے اپنے دینی فریضہ میں سستی برتی۔

۳۰۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۰:

''الاترون ان اللہ سبحانہ اختبر الاولین من لدن ادم صلوات اللہ علیہ الی الآخرین من ھذا العالم باحجار لاتضر ولاتنفع و لاتبصر و لا تسمع، فجعلھا بیتہ الحرام الذی جعلہ للناس قیاماً ثم وضعہ باوعر بقاع الارض حجراً و اقل نتائق الارض مدراً و اضیق بطون الاودیۃ قطراً بین جبال خشنۃ و رمال دمثۃ و عیون و شلۃ و قری منقطعۃ لا یزکو بھا خف۔۔۔''

''کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ پروردگار عالم نے آدم علیہ السلام کے دور سے آج تک اولین و آخرین سب کا امتحان لیا ہے۔ ان پتھروں کے ذریعہ جن کا بظاہر نہ کوئی نفع ہے اور نہ نقصان۔ نہ ان کے پاس بصارت ہے نہ ہی سماعت لیکن انہیں سے اپنا وہ محترم مکان بنوادیا ہے، جسے لوگوں کے قیام کا ذریعہ قرار دے دیا ہے اور پھر اسے ایسی جگہ قرار دیا ہے جو روئے زمین پر انتہائی پتھریلی و بلند زمینوں میں انتہائی مٹی والی وادیوں میں اطراف کے اعتبار سے انتہائی تنگ ہے۔ اس کے اطراف سخت قسم کے پہاڑ، نرم قسم کے ریتیلے میدان، کم پانی والے چشمے اور منتشر قسم کی بستیاں ہیں جہاں نہ اونٹ پرورش پاسکتے ہیں اور نہ گائے اور نہ بکریاں۔

اس کے بعد اس نے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو حکم دے دیا کہ اپنے کاندھوں کو اس کی طرف موڑ دیں اور اس طرح اسے سفروں سے فائدہ اٹھانے کی منزل اور پالانوں کے اتارنے کی جگہ بنادیا جس کی طرف لوگ دور افتادہ بے آب و گیاہ

بیابانوں، دور دراز گھاٹیوں کے نشیبی راستوں، زمین سے کٹے ہوئے دریاؤں کے جزیروں سے دل و جان سے متوجہ ہوتے ہیں تا کہ ذلت کے ساتھ اپنے کاندھوں کو حرکت دیں اور اس کے گرد اپنے پروردگار کی الوہیت کا اعلان کریں اور پیدل اس عالم میں دوڑتے ہیں کہ ان کے بال بکھرے ہوئے ہوں اور سر پر خاک پڑی ہوئی ہو۔ اپنے پیراہنوں (قمیص) کو اتار کر پھینک دیں اور بال بڑھا کر اپنے حسن و جمال کو بدنما بنالیں۔ یہ ایک عظیم ابتلاء شدید امتحان اور واضح اختبار ہے جس کے ذریعہ عبدیت کی مکمل آزمائش ہو رہی ہے۔ پروردگار نے اس مکان کو رحمت کا ذریعہ اور جنت کا وسیلہ بنا دیا ہے۔ وہ اگر چاہتا تو اس گھر کو اور اس کے تمام مشاعر کو باغات اور نہروں کے درمیان نرم و ہموار زمین پر بنا دیتا جہاں گھنے درخت ہوتے اور قریب قریب پھل۔ عمارتیں ایک دوسرے سے جڑی ہوتیں اور آبادیاں ایک دوسرے سے متصل۔ کہیں سرخی مائل گندم کے پودے ہوتے اور کہیں سبز باغات کہیں چمن زار ہوتا اور کہیں پانی میں ڈوبے ہوئے میدان۔ کہیں سرسبز و شاداب کشت زار ہوتے اور کہیں آباد گزرگاہیں لیکن اس طرح آزمائش کی سہولت کے ساتھ جزا کی مقدار بھی گھٹ جاتی۔

اور اگر جس بنیاد پر اس مکان کو کھڑا کیا گیا ہے وہ سبز زمرد اور سرخ یاقوت جیسے پتھروں اور نور و ضیاء کی تابانیوں سے عبارت ہوتی تو سینوں پر شکوک کے حملے کم ہوتے اور دلوں سے ابلیس کی محنتوں کا اثر ختم ہو جاتا اور لوگوں کے خلجان قلب کا سلسلہ تمام ہو جاتا۔ لیکن پروردگار اپنے بندوں کو سخت ترین

حالات سے آزمانا چاہتا ہے تاکہ ان کے دلوں سے تکبر نکل جائے اور ان کے نفوس میں تواضع اور فروتنی کو جگہ مل جائے۔ اور اسی بات کو فضل و کرم کے کھلے ہوئے دروازوں اور عفو و مغفرت کے آسان ترین وسائل میں قرار دے دے۔

۳۱۔ جیسا کہ ہم نے ۲۸ نمبر میں حضرت علی علیہ السلام سے نقل کیا: والحج تقویة للدین ''حج دین کی تقویت کا باعث ہے'' لہٰذا کم از کم حج کے فلسفوں میں سے ایک فلسفہ اسلام کی تقویت ہے۔ اب ہمیں چند مطالب کی طرف اشارہ کرنا چاہیے:

پہلا مطلب یہ ہے کہ ہماری بحث ان دروس میں ہے جو ہمیں حج کے لیے حج سے یاد کرنا چاہیے۔ یہ جو ہم دروس کہہ رہے ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ ظاہری اور مشہور اعمال و احکام کے علاوہ، ایک قسم کے دوسرے دروس بھی ہیں جن میں بعض کو حج کے لیے اور بعض کو حج سے ہمیں سیکھنا اور یاد کرنا چاہیے، اس لیے کہ اسلام نے تمام علمائے اسلام (۱) کے مطابق اپنے تمام قوانین میں عظیم اور مقدس اہداف کو مدنظر قرار دیا ہے۔

ہمارے لیے ایک قسم کے مقدماتی دروس ایسے ہیں کہ جنہیں حج کے لیے یعنی اسلام کے مقاصد تک پہنچنے کے لیے حج سے سیکھنا چاہیے اور ایک قسم کے ایسے دروس ہیں جو ہمیں حج سے لینا چاہیے، حج کو معلم و استاد اور ہمیں متعلم و شاگرد ہونا چاہیے۔

---

(۱)۔ منکرین کا فی الحال خاتمہ ہو چکا ہے۔

وہ دروس جو ہمیں حج کے عظیم اجتماع سے حج کے لیے سیکھنا چاہیے وہ اسلام کے عظیم مقاصد تک پہنچنے کے لیے مقدماتی طور پر ہیں۔ اور ہم نے ان اہداف و مقاصد کو قرآن وسنت سے حاصل کیا ہے۔ صرف ہمیں اس بات کا پاس ولحاظ رکھنا چاہیے کہ یہ اہداف واقعاً پورے ہوں۔ اسلام ہم کو یعنی مختلف ملتوں کو جو ایک دوسرے سے غیر مرتبط ہیں جن کہ نہ زبان ایک ہے نہ ہی نسل، اسی طرح نہ رنگ ایک ہے نہ ہی حکومت وملیت ایک ہے، سب کو ایک ہی سرزمین میں غیر عادی روحانی آمادگی کے ساتھ جمع کیا ہے۔ جو اجتماع یقیناً بے مثال ہے ایسا اجتماع جو کمیت وتعداد کے لحاظ سے کم نظیر اور شاید بے نظیر ہے اور تقریباً ۳۲۰۰۰۰ بیرون ملک اور ایک ملین افراد خود مملکتِ سعودیہ سے امسال (۱۳۸۷ ہجری قمری) جمع ہوئے تھے۔ لیکن کیفیت کے لحاظ سے قطعاً بے نظیر ہے اس لیے کہ سب سے پہلے طبیعی اور بالکل خاص ہے، ان کے لیے کوئی زور زبردستی حکم فرما نہیں ہے، ایسا اجتماع جو کسی حرص ولالچ کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ تمام طمع وحرص کو پس پشت ڈال دیا ہے، ایسا اجتماع کہ جس میں جنسیاتی یا سیر وتفریح کا کوئی عامل نہیں پایا جاتا، حداکثر یہ ہے کہ آخر میں وہ اپنا رنج وغم کم کیے ہوتے ہیں، ایسا اجتماع جو اگرچہ وقتی طور پر ہے اپنے افتخارات اور آرزوؤں کو پس پشت ڈال کر، تمام افراد ایک قسم کی فکر ایک ہی قسم کے ذکر ایک قسم کے لباس وعمل کے ساتھ ایک ہی راہ میں قدم اٹھاتے ہیں۔

یہاں تک اسلام نے انجام دیا ہے، یہاں کے بعد سے یعنی اس عظیم خالص

اجتماع سے استفادہ کرنا ہم سے مربوط ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: تقویة للدین ۔بغیر کسی شک وشبہ کے خود یہی اجتماع جو صرف افراد ایک دوسرے کا دیدار کرتے ہیں دین کی تقویت میں مؤثر ہے لیکن کافی نہیں ہے۔

اسلام کی تقویت کا کیا مطلب؟ اسلام تقویت پائے گا اس کا کیا معنی ہے؟ اسلام کا تقویت پانے کا معنی یہ ہے کہ پیروانِ اسلام کے ایمان میں اضافہ ہو اور پیروانِ اسلام کا عمل اسلام کے ساتھ منطبق ہو نیز پیروانِ اسلام کی تعداد میں اضافہ ہو۔ اسلام کی تقویت کا دوسرا معنی یہ ہے کہ مسلمان افراد قوی تر ہوں اور ان کے قوی تر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے درمیان اتحاد و یگانگی زیادہ محکم ہو۔

لہٰذا اسلام کی تقویت کا لائحہ عمل دو حصوں میں نافذ ہونا چاہیے۔ پہلے حصہ میں یہ ہے کہ تمام لائحہ عمل، نشریات اور اسلامی تعلیمات ایام حج میں انجام دینی چاہیے۔ حج کی فرصت سے استفادہ کرنا چاہیے اسلامی حقائق کی نشر و اشاعت کرنی چاہیے۔ مواعظ و نصائح کے ذریعہ لوگوں کی طبیعت اور حوصلے کو اسلام پر عمل کرنے کے لیے آمادہ کرنا چاہیے تاکہ وہ افراد جب وہاں سے واپس ہوں تو بہترین آمادگی کے ساتھ پلٹیں۔(۱)

---

(۱)۔ وہی فعل جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انجام دیا کہ ان مواقف سے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے لیے مؤثر طور پر استفادہ کیا۔

البتہ اس قسم کے امور مملکتِ حجاز (سعودیہ) کے تعاون سے انجام پائے۔ وہ اصلاحات جو امور کے لحاظ سے حج سے مربوط ہیں انہیں بھی انجام دینا اسی حصہ میں شامل ہے۔

دوسرا حصہ مسلمانوں کے روابط کو تقویت دینے اور ایک دوسرے کو نزدیک کرنے سے مربوط ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿یا ایھا الذین آمنوا اصبروا و صابروا و رابطوا و اتقوا اللّٰہ لعلکم تفلحون﴾ (سورہ آل عمران، آیت ۲۰۰)۔

''اے ایمان والو صبر کرو، صبر کی تعلیم دو، جہاد کے لیے تیاری کرو اور اللہ سے ڈرو شاید تم فلاح یافتہ اور کامیاب ہو جاؤ۔'' قرآن نے اس مقام کو صلح و مصالحت اور امن و امان کی چار دیواری قرار دیا ہے: ﴿و اذ جعلنا البیت مثابة للناس و امنا﴾ (۱) ''اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے خانۂ کعبہ کو ثواب اور امن کی جگہ بنایا'' اس محل کو محل حرام (جیسے زمانۂ جاہلیت میں حرام مہینے) قرار دیا ہے کہ اس مقام پر اسلحہ زمین پر رکھ دینا چاہیے، آزار و اذیت کی حس کو پس پشت ڈال دیں، حرم میں شکار نہ کریں۔ حرم کی گھاس کو نہ توڑیں، حرم میں انسانی خون کو بہانے کی بات ہی جداگانہ ہے۔ اسلام نے اس کے ذریعہ صلح و مصالحت اور امن و امان کا ماحول فراہم کرنا چاہا ہے۔

مسلمانوں کا اتحاد دو پہلو سے ہے۔ ایک سیاسی پہلو سے جو حکومتوں کا فریضہ

---

(۱)۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۲۵۔

ہے، وہ ملتوں سے مربوط نہیں ہے۔ اس کی گفتگو بھی نہیں کرنی چاہیے اس لیے کہ یہ ایسا مقام ہے جہاں جبرئیل کے پر خاکستر ہو جائیں۔ خارجی منافع اس میں ہیں کہ اسلامی سیاسی کانفرنس اور خود عربوں کے قول کے مطابق اسلامی کانفرنس تشکیل نہ ہو۔

لیکن اس جہت سے کہ ملتوں سے مربوط ہے، چاہیے کہ سوء تفاہم کی دیواروں کو خراب کریں۔ یہ اہم ترین فریضہ ہے جو اس راہ میں یعنی دین کی تقویت میں مسلمانوں کے اتحاد و روابط کو محکم کرنے کے لیے انجام دینا چاہیے۔ لیکن افسوس کہ مسلمان افراد کثرت سے مذہبی تفرقے کا شکار ہو گئے ہیں۔ خود مذہبی تفرقہ سے بالاتر، ایسے بہت سے سوء تفاہم اس سلسلہ میں ایجاد کر دیے گئے ہیں۔ اس مقام پر دو مطلب ہے۔ ایک مطلب یہ ہے کہ کیا ممکن ہے کہ مذہبی وحدت ایجاد کرنے کے لیے کوئی اقدام عمل میں آئے؟ یہ کوئی بڑا کام نہیں ہے، کم از کم اتنی جلدی کوئی بڑا عمل نہیں ہے۔ ہم جو کہ شیعہ ہیں ابھی تقلید کے مسئلہ میں کوئی وحدت نہیں ایجاد کر سکے اور ہمیں ایسا کام انجام دینا چاہیے کہ مجتہدین کرام فتویٰ کی ایک کمیٹی تشکیل دیں اور ہر زمانہ میں لوگوں کے پاس ایک رسالہ توضیح المسائل سے زیادہ موجود نہ ہو۔ پھر ایسے وقت میں ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ حنفی، شافعی، مالکی، وہابی اور زیدی سب کے سب آکر شیعہ اثنا عشری ہو جائیں؟

لیکن دوسرا مطلب یہ ہے کہ کیا یہ مذہبی اختلافات اسلامی وحدت و اخوت سے مانع ہیں؟ کیا یہ بات مانع ہے کہ تمام مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ برادری کا

احساس کریں جب کہ ان کا قرآن ایک، ان کا پیغمبرؐ ایک ہے، سب ہی احادیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبول کرتے ہیں اور ایسے اسناد و شواہد پائے جاتے ہیں کہ اہل بیت کی حدیثوں کو اہل سنت کو بھی تسلیم کرنا چاہیے۔ آیت اللہ بروجردیؒ اور شیخ عبد المجید سلیم، مصر کے مفتی اعظم نے اسی بنیاد پر یہ توافق کیا تھا کہ اہل تشیع اہل تسنن کی معتبر حدیثوں کو قبول کریں البتہ قدیم زمانہ سے تسلیم کرتے تھے، صرف اپنی حدیثی کتابوں میں وارد کریں اور وہ بھی بموجب حدیث ثقلین ''انی تارک فیکم الثقلین: کتاب اللہ و عترتی '' احادیث اہل بیت کو قبول کریں۔ یہی وہ عوامل تھے جس سے فقہ مقارن کے مقدمات مصر میں معرض وجود میں آئے۔

جو کچھ جھوٹ کی بنا پر سوء تفاہم کا موجب ہوا، وہی مسلمانوں کا ایک دوسرے سے نزدیک ہونے سے مانع ہے نہ کہ خود مذاہب۔

خوش بختی کے طور پر ہم شیعہ افراد ان کے ساتھ نماز پڑھنا صحیح جانتے ہیں نماز اور حج میں ان کا اتباع جائز و لازم اور کافی جانتے ہیں۔ بعض شیعوں کے اعمال بہت زیادہ افسوس کا باعث ہیں۔

اگر کوئی ایک شیعہ حج پر جائے جو نزدیک سے زیارتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بجائے صرف خلفاء پر لعنت کرے تو اسے حج پر نہیں جانا چاہیے۔

منجملہ وہ افعال جو انجام دینا چاہیے یہ ہے کہ مباحثہ اور مذہبی لڑائی جھگڑے کو ترک کرنا چاہیے۔ اور خوش بختی کے طور پر قرآن میں ان مباحثات سے منع کیا گیا

ہے: ﴿فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج﴾ (۱) ''(اور جو شخص بھی اس زمانے میں اپنے اوپر حج لازم کرے) عورتوں سے مباشرت گناہ اور جھگڑے کی اجازت نہیں ہے۔''

بعض افراد کو خوشی ہوتی ہے کہ وہاں جا کر بحث و مباحثہ کریں۔ یہ بے چارے نہیں جانتے کہ بحث و جدل اور کتاب بحث و جدلی کسی کام کو آگے نہیں بڑھائے گی۔ الغدیر جیسی کتاب سے ان کے درمیان کوئی کام نہیں بن سکا لیکن اصل الشیعه و اصولها اور مختصر النافع سے وہ کام ہو گیا۔ صحیفه سجادیه اور خلاف شیخ طوسی، تذکرة علامه تفسیر مجمع البیان اور آخر میں تفسیر المیزان نے ان کے درمیان اپنا کام کر دکھایا ہے۔

اسی طرح اخلاقی کتابوں میں جامع السعادات، اخلاق ناصری (البتہ اس کا عربی ترجمہ) تاریخی تحقیقی کتابیں وہ کتابیں جو اسلام کی اجتماعی مباحث کے لیے تحریر کی گئیں اگر ترجمہ ہوں اور لوگوں کی دسترس میں رکھی جائیں۔

ہمیں جاننا چاہیے کہ اس زمانہ میں دوسرے زمانوں سے کہیں زیادہ مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کی ضرورت ہے۔ ہم شیعیان علی علیہ السلام کو یہ افتخار حاصل ہے کہ حضرت علیؑ نے سب سے عظیم عفو و بخشش اور فداکاریوں کو خلافت کے مسئلہ میں انجام دیا، نہایت

---

(۱)۔ بقرہ، آیت ۱۹۷۔

ہی خلوص نیت سے اپنے رقیبوں کے ساتھ ہم گام ہو کر تعاون کیا، یعنی اسلام کی مصلحت کو بالاترین مصلحتوں میں سے جانتے تھے۔

میں نے خود مثبت اقدامات کے اثر کو سوء تفاہم کے ختم کرنے میں مشاہدہ کیا ہے۔ شیخ عطیہ سالم، مدینہ اسلامی یونیورسٹی کے استاد نے شیعوں کی صرف دو کتاب پڑھی تھی: اصل الشیعہ اور مختصر النافع، تو سجدہ گاہ پر سجدہ کرنے کا اعتراف کیا کہ شیعہ خلافِ شرع کام انجام نہیں دیتے۔

حج پر جانے سے پہلے میرے عقیدہ کے مطابق وہ تمام دروس جو حج کے لیے سیکھنا چاہیے منجملہ وہ امور جو حج کے لیے ہر مرد و عورت کو انجام دینا چاہیے یہ ہے کہ کم از کم ایک مہینہ تک حج کی آمادگی کے لیے کلاس میں شرکت کرے، یعنی پہلے سے ایک کلاس حج کی آمادگی کے لیے تشکیل پائے تاکہ حاجی بصیرت کے ساتھ حج کے لیے جائے۔

منجملہ وہ امور جو حج کے لحاظ سے بالخصوص سیکھنا اور اسے انجام دینا چاہیے اسلامی زبانوں کا رائج کرنا ہے۔ یہ مسلمانوں کے اتحاد کے لیے حد سے زیادہ ضرورت کی حامل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اسلامی زبانیں ایک لحاظ سے اسلام کے لیے مخصوص زبان نہیں ہے، یعنی وہ زبان جو اس کی مروّج ہو۔ دوسری زبان کے لحاظ سے عربی چونکہ قرآن و عبادت کی زبان ہے، ہر مسلمان کے لیے کم و بیش جاننی ضروری ہے۔ دوسرے لحاظ سے، ہم ہر وہ زبان کہ جس کے ذریعہ اسلامی اہم آثار معرض وجود میں

آ ئے ہیں اس کو اسلامی زبان جانتے ہیں، اس کے علاوہ فارسی، ترکی، اردو بالخصوص فارسی زبان ایک اسلامی زبان ہے۔

مثنوی، سعدی، حافظ، نظامی، کیمیای سعادت جامی وغیرہ یہ سب اسلامی شاہکار اور مولود اسلام ہیں، قبل اس کے کہ ان کا تعلق ایران سے ہو یہ اسلام سے متعلق ہیں۔

ضریح اور حجر اسود کے بوسے کا وہابیوں کی طرف سے مخالفت کے موضوع کو کسی بھی شکل میں حل ہونا چاہیے۔ نہ یہ لوگ ہمیں بوسہ دینے پر اس قدر اصرار کریں اور نہ وہ افراد ہمیں اتنا زیادہ منع کریں۔ کفر وشرک ہے یعنی کیا مطلب؟

لیکن پہلا حصہ (کہ جس کا بیان تاخیر میں پڑ گیا) یعنی دین کو مختلف تدابیر کے ساتھ بروئے کار لا کر تقویت دینا متعدد تدبیروں کو بروئے کار لانے سے اور خود دین کی ترویج وتبلیغ کے لیے ایسے اقدامات انجام دینا، دینی تبلیغات کو ہم آہنگ کرنے کے لیے یہاں بہتر ہے نمونہ کے طور پر حجۃ الوداع کے موقع پر خود رسول اکرم ﷺ کے عمل کو ذکر کریں۔

اس لحاظ سے یہ سفر، سب سے پہلے سفر تفقہ ہو، یعنی دین کی گہرائی وگیرائی کو سمجھنا۔

یہ ایسے وقت میں ہے کہ ہر نماز جمعہ میں وسیع وعمیق تعلیماتی پروگرام، نماز جمعہ کے علاوہ، مسجد النبی ﷺ، مسجد الحرام، عرفات اور منیٰ میں اجرا ہونے چاہیے، نہ موجودہ

حالت وروش سے جیسا کہ سعودی والے انجام دیتے ہیں۔ پہلے حضرت امام رضا علیہ السلام کی حدیث کو ہم نے یوں نقل کیا:

"... مع ما فیہ من التفقہ و نقل اخبار الائمۃ فی کل صقع و ناحیۃ، کما قال اللّٰہ عز و جل: فلو لا نفر من کل فرقۃ منہم طائفۃ لیتفقہوا فی الدین و لینذروا قومہم..."

...اس کے ساتھ ہی ساتھ لوگوں کو دینی باتیں سمجھنے اور ائمہ طاہرین کے ارشادات کو تمام اطراف واکناف تک پہنچانے کا موقع بھی فراہم ہوتا ہے جیسا کہ خداوند متعال نے فرمایا: "تو ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ہر گروہ سے کچھ لوگ نکلیں تاکہ صحیح طریقہ سے دین میں فہم وفراست حاصل کریں پھر جب اپنی قوم کی طرف واپس جائیں تو انہیں (عذاب کی باتوں سے) ڈرائیں...

اگر اس نفسیاتی نکتہ کی طرف متوجہ ہوں کہ مسافر بالخصوص ایسے مسافر کو الہام اخذ کرنے کے لیے عجیب قسم کی آمادگی کی حالت رکھنی چاہیے، وہاں کے جزئیاتی مسائل اس کے ذہن نشین ہو جاتے ہیں، مطلب کی اہمیت کو درک کرتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے قثم کو فرمایا: "و ذکرھم بایام اللّٰہ"۔ "لوگوں کو تاریخی نکات اور عبرتوں کی تعلیم دیں۔" یہ خود دین کو گہرائی اور گیرائی کے ساتھ سمجھنا ہے۔ ہم نے تفقہ در دین کے نوٹس (NOTES) میں یہ بات کہی تھی کہ تفقہ در دین کے مراتب میں سے ایک مرتبہ اسلامی اہداف ومقاصد کی شناخت ہے۔

زیارت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کے لائیفک لواحق میں سے ہے، یہاں تک کہ واجب کفائی ہے کہ لوگ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لیے جائیں۔ اس مقام پر ہونا یہ چاہیے کہ مواقف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقامات و آثار کو اسلامی تاریخ کے لحاظ سے لوگوں کو تعلیم دیں جس طرح امام جعفر صادق علیہ السلام نے ہشام بن الحکم سے فرمایا:

فجعل فیه الاجتماع من الشرق و الغرب لیتعارفوا و لینزع کل قوم من التجارات من بلد الی بلد ... و لیعرف آثار رسول اللّٰه و تعرف اخباره و یذکر ولا ینسی...

"اور حج میں مغرب و مشرق سے لوگوں کا اجتماع قرار دیا تا کہ ایک دوسرے کی شناخت کریں اور ہر ایک قوم اپنے تجارتی سامان کو ایک شہر سے دوسرے شہر لے جائیں... نیز رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقامات و آثار کو پہچانیں اور اسے دوسروں کو بتائیں تا کہ یہ آثار فراموشی کا شکار نہ ہو جائیں"۔

اس کے علاوہ منظم پروگرام (اور شاید فلموں اور رہنماؤں کے ذریعہ) احد و بدر کوہ حرا اور غار ثور وغیرہ کے لیے ترتیب دیں۔

یہ نکتہ بھی قابل ذکر ہے کہ ایرانی، ماضی میں عالم اسلام کو معنوی رہبری کی صلاحیت و شائستگی کو اپنی طرف سے دکھانے پر قادر ہوئے ہیں۔ اب بھی اگر موجودہ غلطی کو ترک کر دیں اور چار ہزار سال پہلے کی طرف پلٹنے اور خود کو عالم اسلام سے جدا کرنے کے بجائے اپنے تعلقات مسلمان ملتوں سے زیادہ محکم کریں تو یہ سو فیصد

ایران کے نفع میں ہے اس لیے کہ بہت اچھا زمینہ فراہم ہے۔ دوسری طرف سے مسلمان روشن فکروں کی طرف سے روحانی ونفسیاتی آمادگی (جو تاریخ اسلام کو ایران اور ایرانی کے نام پر پُر دیکھتے ہیں) ایران اور ایرانی کے لیے ان کے دل میں ایک مخصوص احترام ایجاد کیے ہوئے ہے جو فوق العادت اور تصور سے بالاتر ہے، دوسری طرف سے موجودہ صورت حال میں بھی گزشتہ کی طرح ایران کے اسلامی مفکرین اور دوسرے مفکرین کی بہ نسبت زیادہ عمیق فکر کرتے ہیں۔

لیکن وہ دروس جو ہمیں حج سے یاد کرنا چاہیے ان میں ایک قسم کے عملی دروس کا سلسلہ ہے، دوسری تعبیر میں ایک اسلامی تربیتی پروگرام ہے۔

اس نکتہ کی طرف بھی ہمیں متوجہ رہنا چاہیے کہ اسلامی تربیت اور تمام دوسری تربیتوں میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ اسلامی تربیت نے اپنی تمام تربیتوں کی بنیاد توحید کو قرار دیا ہے اور فعل کا آغاز نیت اور اخلاص سے کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر عمل اچھی طرح نافذ ہو تو کئی گنا اپنا اثر رکھتا ہے مجموعی طور پر مشق اور عمل تمام امور میں موثر ہے، خواہ مثبت مشق ہو خواہ منفی، لیکن اس وقت قطعی اثر ہوگا جب اللہ کے نام پر اللہ کے لیے حضور قلب اور اخلاص کے ساتھ ہو۔

عمل حج کا آغاز احرام سے ہوتا ہے۔ احرام (۱) یعنی کیا اور کس لیے ہے؟

---

(۱)۔ حج کے نوٹس (NOTES) کی طرف رجوع کریں، فلسفہ احرام۔

ابن اثیر نہایہ میں، مادۂ حرم کے ذیل میں ایک اسی مضمون کی حدیث نقل کرتے ہیں: ''کل مسلم عن مسلم محرم'' ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے محرم ہے۔ اس کے بعد مزید فرماتے ہیں:

يقال انه لمحرم عنک ای يحرم أذاک عليه و يقال مسلم محرم و هو الذی لم يحل من نفسه شيئاً يوقع به، يريد ان المسلم معتصم بالاسلام ممتنع بحرمته ممن اراده او اراد ماله. و منه حديث عمر الصيام احرام لاجتناب الصائم ما يثلم صومه و يقال للصائم محرم و منه قول الراعی:

قتلوا ابن عفان الخليفة محرما

و دعا فلم ار مثله مخذولا

... و الاحرام مصدر احرم الرجل يحرم احراماً اذا اهل بالحج او بالعمرة و باشر اسبابهما و شروطهما من خلع المخيط و اجتناب الاشياء التی منعه الشرع منها کالطيب و النکاح و الصيد و غير ذلک. و الاصل فيه المنع فکأنّ المحرم ممتنع من هذه الاشياء.

کہتے ہیں: (وہ تم سے مُحرم ہے)، یعنی تمہیں اسے آزار و اذیت دینا حرام ہے۔ مزید کہتے ہیں: (مسلمان مُحرِم) اور وہ ایسا شخص ہے کہ کسی شے کو خود سے حلال نہیں کیا ہے تا کہ اس کی ہتک حرمت کا باعث ہو۔ مقصد یہ ہے کہ مسلمان اسلام

قبول کرنے سے اور جو حرمت و عزت اسے ملتی ہے دوسروں کو آزار و اذیت پہنچانے سے بھی، محفوظ ہو جاتا ہے اس جہت سے اس کا مقصد یہ ہے کہ اس کا مال دوسروں کے لے جانے سے امن وامان میں ہے۔ حدیث عمر کا یہی معنی ہے: ''روزہ احرام ہے'' کیوں کہ روزہ دار وہ شے جو اس کے روزے میں رخنہ و خلل ایجاد کرے اجتناب کرتا ہے روزہ دار کو محرم کہتے ہیں۔ یہی معنی ہے راعی کے قول کا:

خلیفہ عثمان بن عفان کو قتل کر ڈالا درحالیکہ کسی چیز کو حلال نہیں کیا تھا جو اس کی ہتک حرمت کا باعث ہو، اور دوسروں کو مدد کے لیے بلایا لیکن ہم نے کسی اور کو اس کی طرح یکہ و تنہا یا بے یار و مددگار نہیں دیکھا۔

...اور احرام مصدر (احرم الرجل یحرم احراماً) ہے اور حاجی محرم اس وقت ہوتا ہے جب صدائے تلبیہ [لبیک اللھم لبیک] حج یا عمرہ کے لیے بلند کرتا ہے اور اس کے اسباب و شروط پر عمل کرے جیسے بدن سے سلے ہوئے کپڑے اتارنا، ان چیزوں سے احرام کی حالت میں پرہیز کرنا کہ جسے شریعت نے منع کیا ہے جیسے خوشبو استعمال کرنا، شادی اور شکار کرنا اس کے علاوہ اور دوسری چیزیں اصل احرام میں منع کے معنی میں ہیں۔ گویا محرم خود کو ان چیزوں سے روکتا ہے۔

احرام میں چند نکتے ہیں: ایک یہ کہ انسان ایک معینہ مدت میں ایک قسم کے حلال امور کو اپنے لیے حرام کرتا ہے اس لحاظ سے [احرام] روزہ کی طرح ہے، تقویٰ و پرہیز

گاری کی مشق ہے۔

انسان کو تمام عمر حالت احرام میں زندگی بسر کرنے اور محرم ہونے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ سعادت وخوش بختی تک رسائی حاصل کرنے کے لیے بعض محرومیتوں کا تحمل کرنا ضروری ہے۔

ہر تربیتی حکومت کو جو بھی آپ دنیا میں تلاش کریں وہ مطلقاً کسی بے باکی اور قید و شرط کے بغیر نیز بغیر ارادہ کے نہیں ہے، بالآخر ایک قسم کی چیزوں کو اپنے لیے حرام اور منع کرتے ہیں۔

دوسرا نکتہ ایسے امور ہیں جو حرام اور منع کیے گئے ہوں اور مقاومت و پائیداری کی حس ان کے مقابلہ میں تقویت پائے جیسے شکار، عورت کے ساتھ ہم بستری، حیوانوں کو آزار و اذیت بلکہ ان کی اذیت کا تحمل کرنا، خوشبو، آئینہ میں نگاہ کرنا، سلے ہوئے لباس پہننا، جھوٹ بولنا اور گالی دینا، بحث وجدال کرنا، زینت کرنا، مرد کے لیے سر چھپانا اور عورت کو اپنا چہرہ مخفی رکھنا ہے۔

[دین اسلام نے] شکار کی (حرمت وممانعت سے) شکاری کی شکار کرنے کی حس کو انسان سے سلب کرنا چاہا ہے، انسان سے آزار و اذیت دینے کی حس کو سلب کرلیا ہے، اذیت تحمل کرنے کی طاقت اور انسان کو حلم و بردباری کی قدرت عطا کرتا ہے۔ جنسیاتی رجحان کے مقابل میں مقاومت وثبات قدم کا درس دیتا ہے، سایہ کو چھوڑنا ناز پروری کو ترک کرنے کا درس دیتا ہے۔

تیسرا نکتہ لباس کے متعلق ہے: ایسا لباس جو انتہائی سادگی اور بغیر رنگ و نشان کے (۱) رنگوں اور کپڑوں کی شکلوں کو، ایک وقتی مدت کے لیے بھی جو انجام پایا ہے تمام لوگ خواہ وہ کسی خاص درجہ پر فائز ہوں یا نہ، خاص ان کی علامت ہو یا نہ، نیا لباس پہنے ہوئے یا پرانا لباس پہنے ہوئے ہوں، وہ جس نے سب سے کم دو سو تومان دیے ہیں تو اس کے لیے ایک پینٹ کوٹ سلا ہے اور وہ کہ جس نے بیس تومان دیے ہیں اور ایک قبا اس کے لیے سلی ہے سب کو ایک سادہ لباس میں جمع کیا ہے۔

کبھی اتفاق ہوتا ہے کہ بعض افراد کو ایک مجمع اور اجتماع میں دعوت دی جاتی ہے اور چاہتے ہیں کہ سب کو ایک لباس میں حاضر کریں، مرد حضرات فلاں لباس اور خواتین فلاں لباس میں ملبوس ہوں۔ ایک اجتماع میں شرکت کے لیے بیچارہ ۵۰۰ تومان خرچ کرے۔ اللہ نے لوگوں کو اپنے حضور میں ایک رسمی لباس کے ساتھ دعوت دی، وہ بھی ان میں سب سے زیادہ بے رنگ و شکل کا انتخاب کیا ہے۔ جو کچھ بشر انجام دیتا ہے پست درجے والے دل کو اعلیٰ ترین دل کی جگہ لے جاتا ہے اور حسرت و آرزو اور انتقام سے پُر کرتا ہے، لیکن جو خدا کرتا ہے بالاترین درجہ والے دل کو پست درجے والے دل تک لے جاتا ہے اور اس کے اندر تواضع و انکساری ایجاد کرتا ہے۔

---

(۱)۔ یہ قول صاحب الحج والعمرۃ فی الفقہ الاسلامی کا ہے، اس مقام پر غنی و فقیر اور جنس و رنگ و زبان وغیرہ ختم ہو جاتی ہے اور ایک ہی لباس کی شکل وحدت کلمہ اور عقیدہ وفکری وحدت کی بھی علامت ہے۔

اسلام اس صورت کے ذریعہ، یک رنگی اور وحدت و یگانگی ایجاد کرتا ہے۔ یہاں ایک مطلب اور ایک سوال ہے: کیا لباس بھی انسانی طبیعت وحوصلہ میں موثر واقع ہوتا ہے؟ یقیناً موثر ہے۔ انسان ایک ایسا لباس زیب تن کیے ہو جو تمام لوگوں کے لباس سے زیادہ بہتر یا بدتر ہو یا اس کی روح میں اثر انداز ہوتا ہے۔ مجلس کا تہ و بالا ہونا طبیعت وحوصلہ میں موثر واقع ہوتا ہے۔ لہٰذا پیغمبرؐ مدوّر طور پر بیٹھتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ چاروں طرف سے دائرے کی شکل میں بیٹھیں۔ لباس میں مساوات، روح میں مساوات ایجاد کرتا ہے اس شرط پر کہ خاص آداب واہتمام کی شکل وصورت کو ختم کیا گیا ہو۔ جیسے احرام کا لباس۔ اسلام نے لباس کو ایک جیسا چاہا ہے مسلمانوں کے اتحاد کے لیے بہ قول جناب کاشف الغطاء: بنی الاسلام علی کلمتین: کلمة التوحید و توحید الکلمه. یعنی اسلام کی بنیاد دو کلمہ پر ہے ایک کلمۂ توحید دوسرے وحدت کلمہ (یعنی اسلامی معاشرے کا اتحاد واتفاق) کا ہونا۔ لیکن اس یگانہ لباس کو ایک خاص آداب واہتمام کی صورت میں معرض وجود میں نہیں لایا ہے، بلکہ خاص آداب واہتمام کو ختم کرکے ایسا کیا ہے، وہ بھی سادہ ترین شکل وصورت میں۔ ایسے خاص آداب واہتمام پر وای ہو، کتنا زیادہ فاصلے انہیں خاص آداب و اہتمام اور صاحبان درجات کے لباس سے پیدا ہوئے ہیں۔

اسلامی سادہ احرام ”ان اکرمکم عند اللہ اتقیکم“ ”بے شک تم میں سب سے خدا کے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔“

سعدی نے کیا خوب کہا:

رہ طالبان و مردان کرم است و لطف و احسان

تو خود از نشان مردی مگر این کلاه داری

بہ چہ خرمی و نازان، گرو از تو برد ھامان

اگرت شرف ہمین است کہ مال و جاہ داری

بہ در خدای قربی طلب ای ضعیف ہمت

کہ نماند این تقرب کہ بہ پادشاہ داری

مردانگی رکھنے والے انسانوں کا راستہ لطف و کرم اور احسان کرنا ہے

تم خود مردانگی کی علامت ہو اگر تمہاری ذات میں مذکورہ صفات پائی جاتی ہوں

تم کس بات پر خوش و خرم اور نازاں ہو تمہاری اس دنیا سے ہامان کیا لے کر گیا

اگر تمہارے مال و جاہ رکھنے کا نام ہی شرف ہے

اے ضعیف ہمت انسان! اللہ تعالیٰ کا تقرب طلب کر

کہ یہ عام بادشاہوں کا قرب باقی رہنے والا نہیں ہے۔

کس قدر غلط کام ہے یہ خاص آداب و اہتمام جو بعض قافلے والے امتیازی سلوک کی صورت میں پیش آتے ہیں، دوگنا پیسے دیتے ہیں کہ وہاں مخصوص محل اور خصوصی گاڑی ان کے لیے موجود ہو۔

احرام سے مربوط یہ قرآنی آیت ہے:

﴿الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ﴾ (۱)

”(وقت) حج چند مقررہ مہینوں میں ہوتا ہے اور جو شخص بھی اس زمانے میں اپنے اوپر حج لازم کر لے اسے عورتوں سے مباشرت، گناہ اور جھگڑے کی اجازت نہیں ہے اور تم جو بھی خیر کرو گے خدا اسے جانتا ہے۔ اپنے لیے زادِ راہ فراہم کرو کہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے اور اے صاحبان عقل! ہم سے ڈرو۔“

اس آیت سے بخوبی یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ احرام کی حکمت اور فلسفہ روزہ کی حکمت کی طرح روحِ تقویٰ پیدا کرنا ہے۔

من لا یحضرہ الفقیہ، ج ۲، ص ۱۲۷:

عن سليمان بن جعفر، قال سألت ابا الحسن عليه السلام ... انما جعل السعي بين الصفا و المروة لان الشيطان تراءى لابراهيم عليه السلام في الوادى فسعى وهو منازل الشيطان و انما صار المسعى احب البقاع الى الله عزوجل لانه يذلّ فيه كل جبار...

---

(۱)۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۹۷۔

''سلیمان ابن جعفر نا قل ہیں: امام علی رضا علیہ السلام سے میں نے احکام حج کے فلسفہ کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا:... صفا و مروہ کے درمیان سعی اس جہت سے قرار دی گئی ہے کہ شیطان وادی حج میں ابراہیم علیہ السلام کی نگاہ میں آشکار ہوا۔ لہذا ابراہیم علیہ السلام نے ان مقامات پر سعی انجام دی جہاں شیطان کی منزلیں ہیں۔ اور سعی کا مقام اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ سرزمینوں میں قرار پایا کہ وہاں پر ایک جبار وظالم ذلیل ورسوا ہوتا ہے۔''

ایضاً ص ۱۲۸ (۱):

''و انما صير الموقف بالمشعر (۲) و لم يصير بالحرم لان الكعبة بيت الله و الحرم حجابه و المشعر (۳) بابه، فلما قصده الزائرون وقفهم بالباب يتضرعون حتى اذن لهم بالدخول ثم وقفهم بالحجاب الثاني وهو مزدلفة، فلما نظر الى طول تضرعهم امرهم به تقريب قربانهم (لن ينال الله لحومها ولا دماؤها ولكن يناله التقوى منكم) فلما قربوا قربانهم وقضوا تفثهم و تطهروا من الذنوب التي كانت لهم حجاباً دونه امرهم بالزيارة على طهارة. و انما كره الصيام في ايام التشريق لان القوم زوار الله عزوجل و هم

---

(۱)۔ اسی جیسی روایت کافی، ج ۴ میں حضرت امیر علیہ السلام سے بھی نقل کی گئی ہے، رجوع فرمائیں۔

(۲)، (۳)۔ ظاہراً یہ غلط نسخہ ہوگا اور صحیح ''عرفات'' ہے۔ رجوع فرمائیں۔

فی ضیافته ولاینبغی لضیف ان یصوم عند من زاره و اضافه ...''

''اس وجہ سے موقف مشعر (عرفات) میں قرار دیا گیا ہے نہ کہ حرم میں چونکہ کعبہ خانۂ خدا ہے حرم اس کا حجاب اور مشعر اس کے گھر کا دروازہ ہے۔ چونکہ زائرین خانۂ خدا میں حج کے لیے آتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اپنی بارگاہ میں نالہ وزاری کرنے کے لیے محفوظ رکھتا ہے تاکہ اذنِ دخول مل جائے، پھر انہیں دوسرے حجاب میں جو مزدلفہ ہے وہاں محفوظ رکھتا ہے، اور جب ان کی طویل نالہ وزاری کو دیکھتا ہے تو انہیں حکم دیتا ہے کہ قربانی کریں۔ (کہ یقیناً گوشت اور خون، خدا تک ہرگز نہیں پہنچتا بلکہ صرف تمہارا تقویٰ اس تک پہنچتا ہے) [لن ینال اللہ لحومها ولا دماء ها ولکن یناله التقوی منکم] اور جب قربانی کرلیں تو اپنی آلودگیوں کو برطرف کرلیں اور ان تمام گناہ کو جو خدا کے دیدار کے لیے حجاب بنے ہوئے تھے اسے دور کر کے ان سے پاک ہوگئے تو انہیں طہارت وپاکیزگی کے ساتھ زیارت کا حکم دیتا ہے۔ اور روزہ ایام تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳، ذی الحجہ) میں اس رو سے ناخوشی کا باعث ہے کہ حجاج، زائرین خدا ہیں اور خدا کی مہمانی میں وہ ایام بسر کر رہے ہوتے ہیں، یہ مناسب نہیں ہے کہ مہمان میزبان کے گھر میں روزے سے رہے۔

ایضاً ص ۱۳۹:

و قال رسول اللہ صلی اللہ علیه و آله وسلم: انما جعل اللہ هذا

الاضحی لتشبع مساکینکم من اللحم، فأطعموهم.

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قربانی قرار دی تا کہ تم میں سے ضرورت مند افراد شکم سیر ہو کر گوشت کھائیں، لہٰذا انہیں کھانا کھلائیں۔

ایضاً، ص۲۹۵:

و قال الصادق علیہ السلام: کنا ننهی الناس عن اخراج لحوم الاضاحی من منی بعد ثلاث لقلة اللحم و کثرة الناس فاما الیوم فقد کثر اللحم و قلّ الناس فلا بأس باخراجه.

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہم قربانی کے گوشت کو منیٰ سے باہر لے جانے سے تین دن تک منع کرتے تھے اس لیے کہ گوشت کم اور لوگ زیادہ تھے، لیکن عصر حاضر میں گوشت زیادہ اور لوگ کم ہیں لہٰذا اسے باہر لے جانے میں کوئی مانع و حرج نہیں ہے۔

ایضاً، ص۱۶۲:

کان ابن ابی العوجاء من تلامذة الحسن البصری فانحرف عن التوحید فقیل له: ترکت مذهب صاحبک و دخلت فی مالا اصل له ولا حقیقة، فقال: ان صاحبی کان مخلّطاً کان یقول طوراً بالقدر و طوراً بالجبر و ما اعلمه اعتقد مذهباً دام علیه. قال (الراوی) و دخل مکة تمرداً و انکاراً علی من یحج و کان یکره

العلماء مسائلته اياهم و مجالسته لهم لخبث لسانه و فساد ضميره. فاتى جعفر بن محمد عليهما السلام فجلس اليه فى جماعة من نظرائه، ثم قال له: ان المجالس امانات ولا بد لكل من له سعال ان يسعل. فتأذن لى فى الكلام فقال: تكلم. فقال: الى كم تدوسون هذا البيدر و تلوذون بهذا الحجر و تعبدون هذا البيت المرفوع بالطوب والمدر و تهرولون حوله هرولة البعير اذا نفر من فكر فى هذا او قدر علم ان هذا فعل اسسه غير حكيم ولا ذى نظر فقل فانک رأس هذا الامر و سنامه و ابوک اسه و نظامه. فقال ابو عبد الله عليه السلام: ان من اضله الله و اعمى قلبه استوخم الحق فلم يستعذبه و صار الشيطان وليه يورده مناهل الهلكة [ثم لا يصدره] و هذا بيت استعبد الله به خلقه ليختبر طاعتهم فى اتيانه فحثهم على تعظيمه و زيارته و جعله محل انبيائه و قبلة المصلين له فهو شعبة من رضوانه و طريق يؤدى الى غفرانه منصوب على استواء الكمال و مجتمع العظمة و الجلال خلقه الله قبل دحو الارض بألفى عام و احق من اطيع فيما امر و انتهى عما نهى عنه وزجر الله المنشئ للارواح و الصور. (۱)

---

(۱)۔ یہاں امام نے عبارت کو سَجع شکل میں بیان فرمایا وہی سجع کہ جس پر سائل ناز کر رہا تھا۔

فقال ابن ابی العوجاء: ذکرت یا ابا عبد اللّٰہ فأحلت علی غائب.

فقال ابو عبد اللّٰہ علیہ السلام: ویلک و کیف یکون غائباً من ہو مع خلقہ شاہد و الیہم اقرب من حبل الورید، یسمع کلامہم و یری اشخاصہم و یعلم اسرارہم و انما المخلوق الذی اذا انتقل عن مکان اشتغل بہ مکان و خلا منہ مکان فلا یدری فی المکان الذی صار الیہ ما حدث فی المکان الذی کان فیہ، فاما اللّٰہ العظیم الشأن الملک الدیان فانہ لا یخلو منہ مکان و لا یشتغل بہ مکان ولا یکون الی مکان اقرب منہ الی مکان والذی بعثہ بالآیات المحکمۃ و البراہین الواضحۃ و ایدہ بنصرہ و اختارہ لتبلیغ رسالاتہ صدقنا قولہ بان ربہ بعثہ و کلمہ.

فقام ابن ابی العوجاء فقال لاصحابہ: من القانی فی بحر ہذا؟ سألتکم ان تلتمسوا الیّ خمرۃ فالقیتمونی علی جمرۃ.

فقالوا: ما کنت فی مجلسہ الّا حقیراً. فقال: انہ ابن من حلق رؤوس من ترون.

ابن ابی العوجاء حسن بصری کے شاگردوں میں سے تھا پھر وہ عقیدۂ توحید سے دست بردار ہوگیا تھا۔ اس سے لوگوں نے کہا: اپنے دوست کا مذہب ترک کردیا اور جس شے کی کوئی اصل اور حقیقت نہیں ہے اسے اختیار کرلیا؟!

جواب دیا: میرا دوست آشفتہ و پریشان ہے، کبھی قضاوقدر کا معتقد ہوتا ہے تو کبھی اختیار و آزادی کا، اور پھر کبھی جبری مسلک ہو جاتا ہے میں تو اسے ایک مذہب پر ثابت قدم نہیں دیکھتا۔ راوی کا بیان ہے: ابن ابی العوجاء سرکشی اور حج کرنے والوں کی مخالفت کی رو سے مکہ میں داخل ہوا درحالیکہ علمائے دین اس کی ہم نشینی اور گفتگو سے کراہت کرتے تھے اس لیے کہ وہ بہت زیادہ بدزبان اور بدطینت تھا۔ لہٰذا امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس آیا اور اپنے ہم فکروں کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور کہا: مجالس امانت ہیں (تمام گفتگو اسی جگہ دفن اور ختم ہونی چاہیے) اور کھانسنے والے کو کھانسنا چاہیے، کیا آپ مجھے سوال کرنے کی اجازت مرحمت فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: کہو، تو اس نے کہا کہ کب تک خرمن گاہ کو روندو گے اس پتھر کو پناہ گاہ سمجھو گے اور اس گھر کی عبادت کرتے رہو گے جو پختہ اینٹوں اور ڈھیلوں سے بلند کیا گیا ہے خانۂ کعبہ اور اس کے گرد بھگائے ہوئے اونٹ کی طرح اڑتے رہو گے جو اس میں غور وفکر کرتے ہوئے اندازہ لگائے تو جان لے گا کہ یہ فعل حکیمانہ اور دانشمندانہ نہیں ہے لہٰذا آپ بتایئے کیونکہ آپ ہی معاملہ کی اصل و اساس ہیں آپ ہی کے باپ نے اس کی سنگ بنیاد رکھی اور نظام بنایا ہے۔

تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: خدا جس کو گمراہ اور دل کو اندھا کر دے تو وہ

حق کو سنگین اور تلخ ہی سمجھتا ہے نیز اس کی پناہ میں نہیں آنا چاہتا شیطان اس کا مالک ورب بن کر اسے ہلاکت کی گھاٹیوں میں اتار دیتا ہے اور ان سے نکلنے نہیں دیتا۔ یہ ایک گھر ہے جس کے ذریعہ خدا نے اپنی مخلوقات سے عبادت کا مطالبہ کیا ہے تاکہ اس کے پاس آنے سے ان کی اطاعت کا امتحان ہو جائے لہٰذا انہیں اس کی تعظیم وزیارت کرنے پر آمادہ کیا۔ اور نماز پڑھنے والوں کے لیے اس کو قبلہ قرار دیا ہے پس یہ اس کی رضا کا ایک حصہ اور راستہ ہے جو اس کی بخشش تک پہنچتا ہے یہ مکمل اعتدال کی ہیئت پر نصب کیا گیا ہے اور یہ عظمت وجلالت کا سنگم ہے اس کو خداوند متعال نے زمین کے بچھانے سے دو ہزار سال قبل خلق کیا لہٰذا زیادہ حق دار ہے کہ اس کی اطاعت وپیروی کی جائے اس چیز میں کہ جس کا اس نے حکم دیا ہے اور اس چیز سے روکا جائے کہ جس سے اس نے روکا ہے وہ اللہ ہے جس نے صورتوں شکلوں اور ارواح کو پیدا کیا ہے۔

تو ابن ابی العوجاء نے کہا: اے ابا عبداللہ! آپ نے کچھ چیزوں کا ذکر کیا ہے کہ جن میں غائب کا حوالہ دیا؟ تو حضرت نے فرمایا: افسوس وہ کیسے غائب ہے جو اپنی مخلوق کے لیے شاہد ہے ان کی شہ رگ سے زیادہ قریب ان کا کلام سنتا اور انہیں دیکھتا نیز ان کے اسرار کو جانتا ہے؟! لیکن خدائے عظیم الشان وہ حاکم اور جزا دینے والا ہے کہ جس سے کوئی جگہ خالی نہیں نہ اسے کوئی جگہ مشغول کیے ہوئے ہے اور نہ ہی کسی جگہ کی نسبت وہ دوسری جگہ زیادہ قریب

ہے اس کے آثار اس کی شہادت دیتے ہیں اور اس کے افعال اس کی دلیل ہیں اور وہ شخصیت کہ جس کو آیات محکم اور واضح براہین کے ساتھ بھیجا اس کی اپنی مدد کے ذریعہ تائید کی اور اپنا پیغمبر منتخب کیا، ہم اس سلسلہ میں اس کے کلام کی تصدیق کرتے ہیں کہ اس کے پروردگار نے اسے مبعوث کیا اور اس سے کلام کیا ہے۔

ابن ابی العوجاء کھڑا ہو گیا اور اپنے دوستوں سے کہا: کس نے مجھے اس شخص کے دریائے علم میں ڈال دیا ہے؟ میں نے تمہیں اپنے لیے کوئی خوش حال کرنے والے شراب کا پیالہ آمادہ کرنے کے لیے کہا تھا لیکن تم نے تو مجھے آگ میں ڈال دیا! اس کے احباب کہنے لگے: اب تک ہم نے تو تجھے کسی محفل میں اتنا ذلیل و رسوا ہوتے نہیں دیکھا تھا! تو وہ کہنے لگا: وہ اس کا بیٹا ہے جس نے موجودہ تمام افراد کے سر مونڈ دیے! (یعنی ان لوگوں کے لیے ان کا کلام اس قدر پر نفوذ ہے کہ باوجود اس کے کہ عرب میں سر منڈانا ننگ و عار ہے، ان کے حکم سے سروں کو منڈ وادیا ہے"۔

مذکورہ بالا حدیث اور اسی طرح نہج البلاغہ کے بیان کا خلاصہ یہ ہے جو ہم نے پہلے نقل کیا کہ اللہ تعالی اس وسیلہ سے بندہ کے تعبد و تسلیم محض کو ظاہر کرے۔

اس مسئلہ کو بیان کرنا چاہیے کہ یہ درست ہے کہ ہر ایک حکم ایک مصلحت کا حامل ہے کہ جسے عقل کبھی درک کرتی ہے، لیکن کیا اگر انسان ایک حکم کو صرف تعبد و تسلیم محض کے حکم کے تحت بجالائے جب ہی عبودیت و بندگی سے زیادہ قریب ہے، یا اگر اس کی حکمت و

فلسفہ کو سمجھے پھر بجالائے؟ البتہ اگر تعبد وتسلیم محض کے حکم کے تحت بجالائے اور اس کی حکمت وفلسفہ کو اس کے امر پر چھوڑ دے تو قطعاً تعبد وتسلیم محض سے زیادہ قریب ہے۔

بنیادی طور پر منجملہ حج کے اسرار ورموز میں سے ایک تعبد وتسلیم ہے اور ابراہیمؑ و ذبح اسماعیلؑ کا واقعہ (ابراہیمؑ حج کے باپ ہیں) خود اس تسلیم مطلق کی ایک علامت ہے۔

من لا یحضر الفقیہ، ج ۲، ص ۱۷۹:

''عن ابی عبد اللّٰہ علیه السلام: کان ابی یقول: ما یعبأ بمن یؤمّ هذا البیت اذا لم یکن فیه ثلاث خصال: خلق یخالق به من صحبه(۱) و حلم یملک به غضبه و ورع یحجزه عن محارم اللّٰه.''

''امام صادق علیہ السلام کا بیان ہے کہ میرے پدر گرامی فرمایا کرتے تھے: جو شخص حج کے قصد سے خانہ کعبہ کی طرف آتا ہے، اللہ تعالی کی مورد عنایت واقع نہیں ہوتا مگر یہ کہ اس میں تین خصلتیں پائی جاتی ہوں: اپنے ہم سفر لوگوں کے ساتھ معاشرت کے لیے ایک مناسب اخلاق کا حامل ہو، حلم و بردباری کی قوت ہمراہ ہو، تاکہ اپنے غیظ وغضب کو روک سکے، ورع و پرہیزگاری رکھتا ہو جو اسے محرمات الٰہی اور گناہوں سے باز رکھے۔''

وسائل الشیعہ، ج ۲، ص ۱۳۹:

''احتجاج طبرسی عن امیر المومنین علیه السلام فی احتجاجه

---

(۱)۔ امام سجاد علیہ السلام کا واقعہ اور سفر حج میں خدمت انجام دینا۔

علی الخوارج قال: و اما قولکم انی کنت وصیاً فضیعت الوصیة فانتم کفرتم و قدمتم علی و ازلتم الامر عنی و لیس علی الاوصیاء الدعاء الی انفسهم، انما یبعث اللّٰہ الانبیاء علیهم السلام فیدعون الی انفسهم و (اما خ) الوصی فمدلول علیه مستغن عن الدعاء الی نفسه و قد قال اللّٰہ عزوجل: وللّٰہ علی الناس حج البیت من استطاع الیه سبیلاً. ولو ترک الناس الحج لم یکن البیت لیکفر [بترکهم ایاه] ولکن کانوا یکفرون بترکهم ایاه لان اللّٰہ قد نصبه لکم علماً و کذلک نصبنی علماً حیث قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و آله وسلم: یا علی، انت منی بمنزلة الکعبة تؤتی و لاتأتی۔"

"کتاب احتجاج طبرسی میں امیر المومنین علیہ السلام سے احتجاج کے ضمن میں ذکر ہوا ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا: لیکن یہ کہ تم لوگوں نے کہا کہ میں وصی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا اور (اپنے سکوت اور خانہ نشینی سے) وصیت [خلافت] کو ضایع کیا۔ جان لو کہ تمہیں لوگوں نے میری مخالفت کر کے دوسروں کو مجھ پر مقدم رکھا تم ہی لوگ تھے کہ روزِ ازل سے جس شے پر میرا حق تھا اس کو مجھ سے جدا کر دیا اور اوصیاء کا فریضہ یہ نہیں ہے کہ لوگوں کو اپنی طرف دعوت دیں (بلکہ لوگوں کو اپنے پیغمبر کی وصیت کے مطابق اوصیاء کے پاس جانا چاہیے) اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو مبعوث کرتا ہے اور انہیں اپنی طرف بلاتا ہے۔ لیکن وصی کا تعارف ہو چکا ہے اور وہ اس

چیز سے بے نیاز ہے کہ اپنی طرف دعوت دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''خدا نے قدرت واستطاعت رکھنے والوں پر فرض کیا ہے کہ خانۂ کعبہ کی زیارت کریں'' اب اگر لوگوں نے حج کو ترک کر دیا تو خانۂ کعبہ کی کوئی تقصیر نہیں ہے اور نہ تو وہ کافر شمار ہوگا بلکہ کافر اور مقصر وہ شخص ہوگا جس نے خانۂ کعبہ کی زیارت کو ترک کیا ہے، کیونکہ یہ عمل مسلمانوں کے معینہ فرائض میں شمار ہوتا ہے، اسی طرح خانۂ خدا کی بھی مومنین کو شناخت کرادی گئی ہے اور ان کے سامنے اسے منصوب ومشخص کر دیا ہے۔ میرا حال بھی ایسا ہی ہے کیونکہ مجھے رسول خداؐ نے منصوب ومعین کیا ہے کہ جب انہوں نے یہ فرمایا: اے علی! تم میرے نزدیک کعبہ کی مانند ہو سب کو تمہاری طرف زیارت کے لیے آنا چاہیے نہ یہ کہ کعبہ کسی کی طرف جائے۔

یہ خود خانۂ کعبہ کے متعلق ایسی تعبیر ہے کہ کعبہ مقدس پرچم کی منزلت میں ہے۔(۱) لیکن پتھر سے نہ کہ کپڑے سے، جیسے ایک پرچم احترام وتقدس کا حامل ہوتا ہے جیسے ایک پرچم کے اطراف میدان جنگ میں تمام لوگوں کو جمع ہونا چاہیے، جس طرح ایک پرچم جب تک قائم ودائم ہے لشکر جم کر مقاومت وپائیداری کا ثبوت فراہم کرتا ہے اور اگر پرچم گر گیا تو سپاہیوں اور لشکر کی کمر ٹوٹ جاتی ہے: لایزال الدین قائما ما قامت الکعبۃ۔ جب تک خانۂ کعبہ قائم ودائم ہے دین بھی قائم ودائم ہے۔

---

(۱)۔حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے خطبہ میں پہلے ہم نے نقل کیا (خطبہ اول، نہج البلاغہ) جس میں فرمایا: جعلہ سبحانہ و تعالی للاسلام علماً و للعائذین حرماً۔

حج کے منجملہ دروس میں سے ایک درس جو ہمیں حاصل کرنا چاہیے، قومی وملی اور نسلی فخر ومباحات کے ساتھ مبارزہ و پیکار کرنا ہے اور ایک معنوی اصول کی طرف توجہ دینی ہے: آل عمران/۱۹۴(تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللّٰه...)''آؤ ایک منصفانہ کلمہ پر اتفاق کرلیں کہ خدا کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں...''

قرآن کریم میں سورہ بقرہ آیت ۱۹۸۔۲۰۰ میں یوں فرماتا ہے:

﴿فَإِذَا أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ. ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ. فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا﴾

''پھر جب عرفات سے کوچ کرو تو مشعر الحرام کے پاس ذکر خدا کرو اور اس طرح ذکر کرو جس طرح اس نے ہدایت دی ہے اگرچہ تم لوگ اس کے پہلے گمراہیوں میں تھے پھر جب سارے مناسک تمام کرلو تو خدا کو اس طرح یاد رکھو جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ''

کافی ج۴، ص۵۱۶ میں ذکر ہوا ہے:

''عن ابی عبد اللّٰه علیه السلام فی قول اللّٰه عزوجل: ''و اذکروا اللّٰه فی ایام معدودات'' قال: هی ایام التشریق، کانوا اذا قاموا

بمنیٰ بعد النحر تفاخروا فقال الرجل منهم کان ابی یفعل کذا و کذا، فقال اللّٰہ جل ثناؤہ: فاذا افضتم من عرفات..."

"امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیت "خدا کو چند معین دنوں میں یاد کرو" کی تفسیر میں ارشاد فرمایا: ایام تشریق سے مراد (۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ) ہے زمانۂ جاہلیت میں منیٰ میں قربانی کی انجام دہی کے بعد [لوگ] وہاں قیام کرتے تھے اور ایک دوسرے پر فخر و مباہات کرتے تھے اور ایک کہتا تھا: میرے باپ نے ایسا کیا ویسا کیا (دوسروں نے بھی اسی طرح کہا۔) اس رو سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر جب عرفات سے کوچ کرو تو منیٰ میں آ کر خدا کو یاد کرو جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ..."۔

کافی کے حاشیہ میں جناب کلینیؒ فرماتے ہیں:

روی عن الباقر علیہ السلام: انھم اذا کانوا فرغوا من الحج یجتمعون ھناک و یعدون مفاخر آبائھم و مآثرھم و یذکرون ایامھم القدیمة و ایادیھم الجسیمة، فامرھم اللّٰہ سبحانہ ان یذکروہ مکان ذکرھم آبائھم فی ھذا الموضع.

امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت نقل کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اہل عرب کا معمول تھا کہ جب وہ مناسک حج سے فارغ ہو جاتے تھے تو وہاں جمع ہو کر اپنے آباؤ اجداد کے فضائل ان کے کارنامے اور احسانات کا ذکر کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کی اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے ذکر کے بجائے

اللہ کا ذکر اور خدا کے عظیم احسانات کا تذکرہ کریں۔

یہ مطلب آج بہت زیادہ اہمیت کے قابل ہے۔بیسویں صدی کے زمانہ جاہلیت میں استعمار کے نفوذ کے تحت قومیں ملتیں کافی حد تک ورغلائی جاتی ہیں اور یہ مسلمانوں کے درمیان تفرقہ کا باعث ہے۔صرف فرق یہ ہے کہ عرب لوگ قبیلہ کے معیار کے ساتھ اور آج کی نسل وملت کے معیار کے ساتھ، جاہلیت والے فخر ومباہات انجام دیتے ہیں۔ہم نے ''ایران واسلام'' نامی مقالہ میں اس کے متعلق بحث کی ہے۔

تفسیر کشاف میں زمخشری کہتے ہیں: بازار عکاظ اور ذی المجاز وغیرہ ایام حج کے بعد تشکیل پاتا تھا۔

حج میں دو مسئلہ ہے جو مشکلات بلکہ بعض جہتوں سے حج کا ضعف شمار کیا جاتا ہے: قربانی، تعظیم سنگ وغیرہ۔

پہلے لحاظ (قربانی) سے، یہ عمل ایک ظلم اور اذیت جیسا ہے اور قرب الٰہی کا ذریعہ نہیں ہوسکتا اور قضا کے بجائے قربانی کا اس کے لیے نام رکھ دیا ہے۔کیا کسی کو قصد قربت الٰہی کے ساتھ آزار واذیت دی جاسکتی ہے؟

میازار موری کہ دانہ کش است

کہ جان دارد و جان شیرین خوش است

وہ چیونٹی جو دانہ لیے جارہی ہے اسے آزار واذیت نہ دو

کیوں کہ وہ بھی جان دار ہے اور اسے بھی اپنی جان پیاری ہے

آزار و اذیت سے قطع نظر، اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور ایک حیوان کے خون بہانے کے درمیان کون سا رابطہ پایا جاتا ہے؟ مگر (العیاذ باللہ) خداوند متعال خونخوار ہے اور وہ ایک حیوان کا خون بہتا دیکھ کر خوش حال ہوگا؟ اس کے علاوہ، جیسا کہ ہم نے کہا کہ ظلم و اذیت عذاب آور اور خدا سے دور کرنے والا ہے۔

دوسرا اعتراض قربانی پر یہ ہے کہ یہ وحشی گری کی یادگار ہے۔ قدیم زمانہ میں مختلف ادیان میں قصاب خانوں کی بت پرستی ہوا کرتی تھی اور لوگ بتوں کی رضایت حاصل کرنے کے لیے قربانی کیا کرتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ وہ تمام بت اس کے گوشت سے استفادہ کرتے ہیں اور ظاہراً ان حیوانات کے گوشتوں کو نہیں کھاتے تھے اور کم از کم ان کے خون کو جوان کے لیے غذا تھی بتوں کے سر اور چہرہ پر مل دیا کرتے تھے۔

لیکن جواب: اس حصہ کے متعلق کہ خون بہانے کا کیا فائدہ مرتب ہوتا ہے؟ یہ اس صورت میں صحیح ہے جب قربانی اور کفاروں کا مقصد (جو باب حج میں مخصوص طور پر، تمام قسم کے گوسفند یا شتر ذبح کرنا ہے مگر کم موارد میں دوسرا کوئی حیوان ہو) صرف خون بہانا ہو۔ کوئی دلیل نہیں ہے کہ صرف خون بہانا ہی تقرب الٰہی کا سبب ہو، اس لیے کہ وہ عمل اللہ سے قریب کرتا ہے کہ جس میں مرضی الٰہی شامل ہو اور خدا کی مرضی اس میں ہے کہ انسان اپنے انفرادی و اجتماعی کمال تک رسائی حاصل کرے۔ صرف خون بہانا انسان کے انفرادی کمال میں مدد و معاون ہے اور نہ ہی اس کے اجتماعی کمال

میں۔ لیکن اگر اصلی ہدف، اطعام و انفاق ہو، جیسا کہ تمام کفارات میں ہے (البتہ اطعام ایسا انفاق ہے جو خصوصی طور پر اجتماعی شکل میں ہے، یعنی گوشت کھلانے کی صورت میں اور یہ کہ ہر ایک انسان ایک حیوان ذبح کرے تو مصداقِ آیہ اطعموا البائس الفقیر واقع ہوتا ہے) تو وہ اعتراض بجا نہیں ہے۔ البتہ ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ ضمناً اس اجتماعی عمل کے ذریعے سربراہ توحید حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار کا احیا کیا جائے۔ اس سے منافات نہیں رکھتا۔ انہیں حکم دیا گیا کہ اپنے نورِ چشم اور اپنے پیارے بیٹے کی خدا کی راہ میں قربانی کریں انہیں فدا کریں اور وہ اس کام کے لیے حاضر ہو گئے۔ بعد میں ان سے کہا گیا: مقصد صرف تسلیم و رضا تھی عزیز بیٹے کی جگہ ایک گوسفند (بھیڑ) کی قربانی پیش کرو۔ یہ گوسفند اس فدیہ کی یادگار اور ذکر کو تازہ کرتا ہے اور اس سربراہ کی تعظیم و تکریم ہے۔

لیکن جیسا کہ حدیث نبویؐ میں ہم نے نقل کیا ہے، فرمایا:

''انما جعل اللّٰہ ھذا الاضحی لتشبع مساکینکم من اللحم فاطعموھم''۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قربانی قرار دی تاکہ تم میں سے ضرورت مند افراد شکم سیر ہو کر گوشت کھائیں لہٰذا انہیں کھانا کھلائیں۔

اور عید قربان کے دن عید ہونے کا راز یہ ہے کہ اس دن فرزند کشی کی رسم منسوخ ہوئی۔ حضرت عبدالمطلب اور حضرت عبد اللہ کا واقعہ ظاہراً تاریخ کے خود ساختہ

واقعات میں سے ہو کہ حضرت عبدالمطلب نے نذر کی کہ اگر خدا نے انہیں دس بیٹے عطا کیے تو ان میں سے ایک کی قربانی پیش کریں گے آخر تک وہ تمام واقعہ۔

قرآن حیوانات کے متعلق بت پرستوں کے رسم و رواج کو نقل کرتا ہے، کہ جہاں فرماتا ہے:

﴿ما جعل اللّٰہ من بحيرة ولا سائبة ولا وصيلة ولا حام﴾ (*)

اللہ تعالیٰ نے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کا کوئی قانون نہیں بنایا ہے۔

تفسیر المنار کی طرف رجوع فرمائیں۔

لیکن دوسرے لحاظ سے یعنی پتھروں اور گھر کی تعظیم و تکریم وغیرہ کے متعلق کہتے ہیں کہ ایک پتھر کے گھر کے اطراف طواف کرنا اور حجر اسود کو بطور تبرک بوسہ دینا یہ شرک کا بقایا جات حصہ ہیں جو اسلام میں باقی رہ گئے ہیں، اسلام بھی خالص توحید نہیں پیش کر سکا ورنہ اسے حج کو عمومی طور سے منسوخ کرنا چاہیے تھا، حج کلی طور پر شرک کا بقایا جات ہے جو اسلام میں باقی رہ گیا ہے۔

اتفاقاً واقعہ اس کے برعکس ہے۔ قرآن حج کو ابراہیم علیہ السلام کی یادگار اور خدا ابراہیم کو حج کا باپ اور بت پرستی کے دشمن کے عنوان سے متعارف کرا رہا ہے: ﴿واجنبنی

(*)۔ سورہ مائدہ، آیت ۱۰۳۔ عربوں نے اپنے بتوں کے احترام میں چند قسم کے جانوروں کو حرام کر دیا تھا اور وہ لوگ اسلام میں اس کو رائج رکھنا چاہتے تھے تو ارشاد ہوا کہ اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ خدا پر صریحی بہتان ہے۔ (مترجم)

وبنیَ ان نعبد الاصنام﴾(۱) ''اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچائے رکھنا۔'' ابراہیم بت شکن بھی تھے: ﴿تاللّٰہ لأکیدن صنامکم... فجعلھم جذاذاً الا کبیراً لھم...﴾(۲) ''خدا کی قسم! میں تمہارے بتوں کے بارے میں تمہارے چلے جانے کے بعد کوئی تدبیر ضرور کروں گا پھر ابراہیم نے ان کے بڑے کے علاوہ سب کو چور چور کر دیا...'' مخصوصاً قرآن نے اعمال حج کو شعائر الٰہی کے عنوان سے یاد کیا ہے اور یہ آیت: ﴿ذلک و من یعظم شعائر اللّٰہ فانھا من تقوی القلوب﴾(۳) ''یہ ہمارا فیصلہ ہے اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرے گا یہ تعظیم اس کے دل کے تقویٰ کا نتیجہ ہوگی'' یہ آیت آیات حج کے ضمن میں وارد ہوئی ہے۔

ہم نے عبادت، عبادت میں توحید اور اقسام توحید کے نوٹس (NOTES) میں کہا ہے کہ تعظیم اور عبادت کے درمیان فرق ہے۔ اسلام تعظیم اور تواضع کو جائز جانتا ہے اور عبادت کو منع کرتا ہے۔ تعظیم اور عبادت کے درمیان فرق یہ ہے کہ عبادت ایک قسم کی تسبیح و تقدیس اور تحمید و تنزیہ ہے، اور ہم نے یہ کہا ہے کہ تسبیح و تحمید تمام نقائص سے تنزیہ نیز اسی طرح تکبیر، خدا سے مخصوص ہے، اس لیے کہ تمام نقائص سے منزہ و

---

(۱)۔ سورہ ابراہیم، آیت ۳۵۔

(۲)۔ سورہ انبیاء، آیت ۵۷۔

(۳)۔ سورہ حج، آیت ۳۲۔

منزّا خدا ہے اور یہ کہ شکر مطلق اس کے لیے ہے اور اکبر و اعظم مطلق خدا ہے۔ رکوع وسجود جسمانی ہیئت کے لحاظ سے عبادت نہیں ہیں، بلکہ اس لحاظ سے عبادت ہیں کہ یہ ایک ایسی حالت ہے جو تسبیح وتکبیر الٰہی کے لیے مخصوص کردی گئی ہے۔ لہٰذا سجدہ میں کہتے ہیں: "سبحان ربی الاعلی و بحمدہ" اور رکوع میں کہتے ہیں: "سبحان ربی العظیم و بحمدہ"

اور سر بلند کرتے ہوئے کہتے ہیں: "اللّٰہ اکبر" اور قیام کی حالت میں کہتے ہیں: "الحمد للّٰہ رب العالمین" یا "سبحان اللّٰہ و الحمد للّٰہ و لا الہ الا اللّٰہ و اللّٰہ اکبر"

تسبیح وتقدیس منحصر طور پر خدا کے لیے یا امر الٰہی کے لیے ہونی چاہیے۔ اگر ایک چیز کا ایک شعار ہونے کی خاطر یا ایک شعار کے عنوان سے ہم نے تقدیس وتمجید کی (نہ تسبیح جو غیر خدا کے لیے جائز نہیں) جیسے پرچم اور قومی وملی علامتوں کا احترام کرتے ہیں، درواقع اس کا احترام نہیں ہے بلکہ اس عقیدہ وفکر کا احترام ہے کہ جس کا یہ پرچم نمائندہ ہے۔ یہیں سے شعاریت (شعار ہونے) کا پہلو نکلتا ہے۔

لہٰذا یہاں پر دو مطلب بیان کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ عبادت کا معیار، تسبیح وتکبیر و تحمید ہے جو کمالِ مطلق (خدا) کے علاوہ کسی اور کے لیے جائز نہیں ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ خدا اپنے علاوہ کسی اور کی تسبیح وتکبیر وتحمید کی اجازت دے۔ لیکن رکوع وسجود جسمانی ہیئت کے لحاظ سے عبادت نہیں ہیں اور کوئی بھی عمل ذاتی عبادت نہیں ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ تمام اقوام وملل کا معمول یہ ہے کہ ایک قسم کے شعائر کی تقدیس و تعظیم کرتے ہیں اور ان کے اس فعل کا ایک مقصد ہوتا ہے۔ اسلام بھی نشانیوں اور شعائر کا حامل ہے۔ اور نص قرآن کے اعتبار سے، کعبہ اور حج شعائر الٰہی میں سے ہیں۔ گزشتہ صفحات میں ہم نے کہا تھا کہ خانہ کعبہ کو بعنوان (علَم) پرچم و نشانی سے یاد کیا گیا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام سربراہ توحید

...حضرت ابراہیم علیہ السلام نے راہِ توحید میں دو قسم کا جہاد انجام دیا۔

ایک یہ کہ اس عظیم انسان نے ہر قسم کی بت پرستی اور غیر خدا پرستی انجام دینے والے سے ہر مشکل میں برسرِ پیکار رہے اور وہ بھی کتنا سخت اور سنگین مبارزہ! یہاں تک کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ کے خرمن میں ڈال دیا گیا۔ یعنی کفر نے اپنے لیے غیظ و غضب کا ماحول اپنے درمیان پیدا کر لیا تھا کہ اس وقت کی قدرتِ قاہرہ (بہ نام نمرود) کی طرف سے حکم ہوا کہ لکڑی اور تمام جلانے والی چیزوں کو ایک عظیم جگہ جمع کیا جائے اور بہت بڑی آگ فراہم کی جائے۔ اس کا مقصد صرف ابراہیم علیہ السلام کا قتل نہیں تھا۔

اگر ہدف ان کو قتل کرنا تھا تو تختہ دار پر لٹکانے یا ان کا سر جدا کر کے بھی محقق ہو جاتا۔ مقصد صرف ان کو جلانا نہ تھا ورنہ ابراہیم علیہ السلام کو تنور میں بھی پھینک سکتے تھے۔ ان کی نظر میں ابراہیم علیہ السلام کا جرم اتنا زیادہ شدید تھا کہ اگر ان سے یہ ممکن ہوتا کہ انہیں ہزار مرتبہ قتل کریں اور زندہ کریں تو ہزار مرتبہ قتل کرتے اور انہیں زندہ کرتے پھر بھی

انہیں نئے سرے سے قتل کرتے۔ چونکہ ایک شخص کو ایک مرتبہ سے زیادہ قتل نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا ان کے اسی ایک مرتبہ کے قتل میں ایسی سطوت و ہیبت پیدا کرنی چاہیے جو لوگوں کے خیالات سے محو نہ ہو سکے اور کوئی دوسرا ابراہیم جنم نہ لینے پائے نیز اس کے دماغ میں ابراہیمی خیال تک پیدا نہ ہو۔

ایک درّہ میں آئے اور ایک بہت ہی وسیع میدان میں کچھ دنوں تک خشک لکڑی اور دوسرے جلانے والے اسباب کو جمع کیا اور ایک پہاڑ لا کھڑا کیا۔ اس کے بعد ان سب کو آگ لگائی اس طرح سے کہ ایک انسان چند میٹر کے فاصلے سے اس سے نزدیک نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ صرف اس لیے تھا کہ اس کا رعب و دبدبہ لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہو جائے۔ اب ابراہیم علیہ السلام کو کیسے آگ میں ڈالیں؟ وہ افراد جو انہیں آگ میں ڈالنا چاہ رہے تھے وہ خود آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔ ناچار ہو کر منجنیق کو آگ میں ڈالنے کا ذریعہ بنایا۔ ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق پر رکھ کر ایک بلندی پر لے گئے اور دسیوں میٹر کے فاصلے سے انہیں آگ کے درمیان ڈال دیا۔

لیکن اس سربراہِ توحید نے نہ صرف یہ کہ ان جلادوں کے مقابل میں جو انہیں قتل کرنے اور جلانے لائے تھے ابرو خم نہیں کی اور نہ عاجزی کا اظہار کیا نہ ہی کوئی التماس کی، تقیہ آمیز کوئی گفتگو بھی نہیں کی، بلکہ اسی حالت میں کہ جب انہیں اوپر کی جانب سے خرمنِ آتش میں ڈالا جا رہا تھا تو جبرئیل امین ظاہر ہوئے (جب کہ وہ جبرئیل سے مانوس تھے اور ہمیشہ جبرئیل وحی الٰہی کے حامل ہوا کرتے تھے) اور کہا: ابراہیم! کیا

تمہیں کوئی ضرورت ہے یا نہیں؟ جواب دیا: ''امـا بک فـلا'' تجھ سے نہیں ہے، جس سے مجھے ضرورت درپیش ہے وہ خود بہتر جانتا ہے کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابراہیم اس قسم کی طبیعت اور حوصلہ کے ساتھ آگ میں داخل ہوئے کہ آگ ان کے لیے سلامتی کے ساتھ سرد ہوگئی، یعنی آگ ان کے لیے ٹھنڈی ہوگئی۔ آتش ان کے لیے گلزار ہوگئی، نہ یہ کہ آگ گلزار تھی کہ جس کی وجہ سے وہ جا رہے تھے۔ اللہ نے ایسے شخص کے لیے آگ سردکی اور آگ کے اثر (جلانے) کو اس سے سلب کرلیا۔

موحد اور خدا پرست وہ شخص نہیں ہے کہ صرف جس کی فکر موحد ہو، یعنی توحید کے لیے دلیل لانے پر قدرت رکھتا ہو، توحید کے لیے کتاب تحریر کرے، توحید کے باب میں تقریر کرے، راہِ توحید میں بحث و مباحثہ کرے جو شخص اس سے بحث و مباحثہ انجام دے اس کا جواب دے۔ البتہ یہ توحید کا ایک مرحلہ ہے جو ضروری بھی ہے۔ لیکن توحید انسان کے لیے اس وقت واقعی توحید ہے کہ جب وہ اس کی روح کی رگ و پے میں سما جائے۔ یعنی خدا کے علاوہ کسی شے کا مشاہدہ نہ کرے اور کسی چیز کا مطالبہ نہ کرے اور نہ ہی کسی چیز سے خوف زدہ ہو۔ اگر انسان اس نہایت درجہ تک پہنچ گیا کہ مرضی الٰہی کے علاوہ کچھ بھی نہ چاہے اور جو کچھ چاہے وہ اس دلیل سے چاہے کہ اس میں مرضی الٰہی شامل ہے تو وہی واقعی موحد اور خدا پرست ہے، یعنی اگر ایک دسترخوان پر بیٹھے بھی تو وہ یہ فکر کرتا ہے کہ اس وقت مرضی الٰہی اس میں شامل ہے کہ میں کھانا کھاؤں یا نہیں؟ اگر حساب کیا کہ مرضی الٰہی اس میں ہے کہ کھانا کھاؤں چونکہ کھانا

حلال ہے، میں بھی بھوکا ہوں اور مجھے کھانے کی ضرورت ہے،تو مجھے کھانا کھانا چاہیے تا کہ میں طاقت ور ہو جاؤں اور اپنے فرائض کو مرضیِ الٰہی کی راہ میں انجام دوں لہٰذا کھانا کھا رہا ہوں، اور اگر اللہ کے علاوہ کسی سے خوف زدہ نہیں ہوا کوئی پروا نہیں کی اور اگر راہ خدا میں کسی چیز سے مضایقہ اور دشواری نہیں محسوس کی تو ایسے شخص کو عملی موحد (خدا پرست) کہتے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی جان دینے سے کسی شکل میں مضایقہ نہیں کیا، انہیں آگ میں ڈالا گیا اہمیت نہیں دی، وہ اس آگ میں کباب ہونے کے لیے آمادہ تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مال سے بھی گزشت و ایثار کیا، یعنی جو کچھ تھا سب کو ترک کر کے اپنی اصلی سرزمین سے ہجرت اختیار کی اور کہا: ''انی ذاھب الی ربی سیھدین'' [سورۂ صافات، آیت ۹۹] ''میں اپنے پروردگار کی طرف جا رہا ہوں کہ وہ میری ہدایت کرے گا یعنی اپنے عقیدہ کی طرف جا رہا ہوں۔ (ابراہیم علیہ السلام آج کی زبان میں ایک معمولی گھرانہ کی فرد نہیں تھے، ان کے پاس گوسفند (بھیڑ) تھا اور بھی بہت سے اسباب زندگی فراہم تھے)۔ ان سب سے بالاتر یہ تھا کہ اپنے چہیتے بیٹے کے لیے راہ خدا میں ایثار و فداکاری سے کام لیا، اور حاضر ہوئے کہ اپنے فرزند کی راہِ خدا میں قربانی پیش کریں۔ میں اصل نکتہ یہیں پر عرض کرنا چاہتا ہوں۔

بیٹے کو فدا کرنے کا مسئلہ دو ہی شکل میں ہو سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ بیٹے کی قربانی یعنی بیٹے کو راہِ خدا میں دینا، یہ ایثار و فداکاری کی معراج ہے اور بسا

اوقات ممکن ہوتا ہے کہ بہت سے انسان اپنی جان دینے کے لیے حاضر ہو جاتے ہیں لیکن انہیں زندہ رہنا گوارہ نہیں ہوتا کہ جب اس کا عزیز جوان قتل ہو جائے۔

لیکن اس سربراہ توحید کے عمل میں اس کے فرزند اسماعیلؑ کے ذبح کرنے کے واقعہ میں ایک ایسا نکتہ موجود ہے کہ اسے قرآن میں نقل کیا ہے۔ اور یہ نکتہ قابل توجہ ہے۔

غور کریں، ایک وقت ایسا ہے کہ انسان کو ایک حکم دیتے ہیں کہ جس کا فلسفہ واضح ہے، یعنی انسان کی عقل اسے درک کرتی اور سمجھتی ہے۔ اچھا، انسان ایک ایسا کام کرتا ہے جو حکم الٰہی بھی ہے اور ایک ایسی شے ہے کہ خود اس کی عقل اس کے فلسفہ کو درک کرتی ہے، البتہ یہ ایک ضروری محرّک ہم مسلمانوں کے لیے ہے کہ تمام احکام جو اللہ نے قرآن وسنت میں ہمیں عطا کیے ہیں ان میں سے ہر ایک کا کوئی نہ کوئی فلسفہ ہے۔

البتہ ہم ان فلسفوں میں سے بہت سوں کو درک کرتے ہیں اور بہت سوں کو اب تک درک نہیں کر سکے ہیں اور ہمیں امید بھی نہیں رکھنی چاہیے کہ ہم اپنی تمام انفرادی (جسمانی، روحانی، دنیوی اور اخروی) نیز اجتماعی ضروریات سے باخبر ہیں اور چونکہ ہم آگاہ ہیں اس بناپر احکام کے فلسفے کو سمجھ سکتے ہیں۔ مثلاً ایک مریض کو کہ جب ڈاکٹر اسے حکم دیتا ہے، وہ مدعی ہو کہ میں بیماری اور دواؤں کی تمام خصوصیتوں سے آگاہ ہوں، لہٰذا اگر ڈاکٹر حکم بھی دے تو ہم حکم دینے کی علت بھی سمجھیں گے ایسا نہیں ہے۔

اسلام نے ہمیں رغبت دلائی ہے کہ ہم فلسفۂ احکام کو معلوم کریں، یعنی اگر احکام

کے فلسفوں کو سمجھیں تو ہمارے اسلام کے متعلق اعتقاد میں مزید اضافہ ہوگا۔ لیکن ایک نکتہ یہ ہے کہ اگر ایک عظیم شخصیت، انسان کو کوئی حکم دے، ایک وقت ایسا ہے کہ انسان اس حکم کے فلسفہ کو جانتا ہے اور ایک وقت نہیں جانتا۔ جو شخص حاضر ہے کہ آپ کی اطاعت کرے وہ آکر آپ سے کہتا ہے: جناب! مجھے ایک پریشانی لاحق ہے میں اپنی پریشانی کیسے دور کروں؟ آپ جواب دیں گے: جاؤ فلاں عمل انجام دو ایک وقت سمجھتا ہے کہ اگر اس کام کو انجام دے تو اس کا کیا فائدہ ہوگا یا سوال کرتا ہے کہ اس کام کا کیا فائدہ ہے؟ تو کیا ممکن ہے آپ اس کے فائدے کو بیان کریں؟ وہ اگر سمجھے اور اطاعت کرے تو اس کی نظر میں بہت زیادہ اہم ہے کہ اس نے سمجھ کر اطاعت کی ہے لیکن جس وقت یہ سمجھے کہ اپنی عقل کے نصف حکم کو بروئے کار لایا ہے، اور دوسرے حاکم کے نصف دستور کو۔ لیکن اگر فلسفہ کو نہ سمجھے اور صرف حاکم کے حکم پر مکمل اعتماد کرنے کی بنا پر عمل کرے تو یہ اطاعت وعبادت کے لحاظ سے بالاترین مقام کا حامل ہے۔ وہ اس قدر شخص کے احکام یا اس ڈاکٹر کے احکام پر مطمئن ہے کہ باوجود اس کے کہ اس کے فلسفہ سے کسی شے کا بھی علم نہیں رکھتا مگر کہتا ہے کہ میں اس شخص سے واقف ہوں۔ جیسے یہ کہ خود آپ بسا اوقات ایک ڈاکٹر پر اتنا زیادہ اعتماد پیدا کر لیتے ہیں اس قدر اس کے احکام پر اعتماد رکھتے ہیں کہ جو کچھ کہے (اگر چہ ذرہ برابر بھی اس کے فلسفہ کو نہ سمجھیں) عمل کرتے ہیں۔ ایک شخص سوال کرتا ہے جناب! یہ آپ کیسے افعال انجام دے رہے ہیں؟ جواب دیتا ہے کہ جس شخص کی بات میں گوش

گزار کرتا ہوں اس پر اتنا زیادہ اطمینان و اعتماد رکھتا ہوں کہ میں جانتا ہوں وہ عبث گفتگو نہیں کرتا، اور اس کا کام سمجھا بوجھا ہوتا ہے۔

میں اس مطلب کو بالخصوص جوانوں سے عرض کرتا ہوں کہ مقام عبودیت کے لحاظ سے باوجودیکہ انسان بہتر ہے کہ کوشش کرے وہ احکام کے فلسفوں کو سمجھے لیکن ایک وقت انسان کے دماغ میں یہ بات نہ آئے کہ میں ہر ایک حکم کے فلسفہ کو سمجھ کر ہی اس پر عمل پیرا ہوں گا لیکن اگر اس کے فلسفہ کو نہ سمجھ سکوں تو اس پر عمل نہیں کروں گا، اسلام نے حکم دیا ہے، لیکن میں چونکہ اس کا فلسفہ نہیں سمجھتا لہٰذا اس پر عمل پیرا نہیں ہوں گا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ میں اسلام پر مکمل اعتماد نہیں رکھتا، وہ اس کا حکم دے، خود میں نے اگر اس کے فلسفہ کو سمجھا تو عمل کروں گا اگر نہیں سمجھا تو عمل نہیں کروں گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تم اسلام کی بات کو نہیں سنتے، اسلام پر اعتماد نہیں رکھتے، خدا کی بات پر تمہیں اعتماد و اطمینان نہیں ہے، قرآن کی بات پر اعتماد سلب ہو چکا ہے۔ تم سمجھنا چاہتے ہو، اگر تم نے سمجھا تو عمل کرو گے۔ نہیں تمہیں تو ایسا ہونا چاہیے کہ تم یہ کہو: میں اسلام کے حکم پر اعتماد رکھتا ہوں جو کچھ اسلام کہے گا میں کہوں گا" آمنا و سلمنا "" بسر و چشم تسلیم ہوں" میں عمل کروں گا۔ لیکن اس لیے کہ میری معرفت میں اضافہ ہو میں چاہتا ہوں کہ اس کے فلسفہ کو سمجھوں، نہ یہ کہ میں عمل کرنے کے لیے اس کا فلسفہ سمجھنا چاہتا ہوں؛ نہیں، میں ہر حالت میں اسلام پر اعتماد رکھتا ہوں۔ مجھ سے کہا گیا ہے: نماز صبح دو رکعت ہے، نماز ظہر چار رکعت۔ کیوں نماز صبح دو رکعت، نماز ظہر چار رکعت؟ میں

نہیں جانتا، لیکن مجھے اسلام کے حکم پر اعتماد حاصل ہے۔ سعی وکوشش بھی کروں گا کہ اگر سمجھ سکا تو بہت بہتر، اگر نہ سمجھ سکا تو میرا سمجھنا عمل کرنے کا مقدمہ نہیں ہے۔ سمجھنا معرفت کا مقدمہ ہے لیکن میرا عمل کرنا یوں ہے کہ بس اسلام نے حکم دیا ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے کہ عبادت گزار مقام عبادت اور مقامِ عمل میں اس کے فلسفہ کا سراغ نہیں لگاتا کہ اسے سمجھے پھر عمل کرے۔ مقام معرفت میں فلسفہ کا سراغ لگاتا ہے، مقام عمل میں تسلیم محض ہے۔

اگر ابراہیم علیہ السلام سے براہِ توحید سے یہ کہا جاتا: ابراہیم! اپنے بیٹے کو فلاں جنگ میں بھیجو تا کہ وہ وہاں جا کر کفار سے ضرور جنگ کرے اور اس جگہ وہ جہاد میں مثلاً قتل ہو جائے اور ابراہیم اس حکم پر عمل کرتے، اتنا زیادہ اہم نہیں تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کو خواب کے عالم میں حکم دیا جارہا ہے (۱): ابراہیم! اپنے جواں سال فرزند اسماعیل کو اپنے ہاتھوں سے منیٰ میں لے جاؤ۔

یہی مسجد الحرام کی سرزمین تھی۔ روایت میں ہے کہ یہی چاہ زمزم (کہ جس سے اس وقت پانی لیتے ہیں اور چونکہ زیادہ گہرا کر دیا گیا ہے لہذا پانی بھی زیادہ لیتے ہیں) موجود نہیں تھا۔ ابراہیم علیہ السلام جب جناب ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کو لائے تو اسماعیل ایک بچے تھے جو زمین پر محوِ خواب تھے اور بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ جس مقام پر وہ

---

(۱)۔ انبیاء کے تمام خواب سوتے ہوئے بھی حالت بیداری کی طرح، وحی ہیں۔

بچہ اپنے پیر کو زمین پر رگڑ رہا تھا، اسی جگہ سے امر الٰہی سے یہ چشمۂ زمزم معرض وجود میں آیا اور ابراہیم علیہ السلام بھی خدا کے حکم سے گاہ بہ گاہ آتے تھے اور خبر گیری کرتے تھے۔

خود اس مقام تسلیم ورضا کو ملاحظہ فرمائیں! ابراہیم علیہ السلام سے کہا جارہا ہے: جاؤ اپنی بیوی اور بچہ کو یک وتنہا وحشت ناک صحرا میں چھوڑ کر آجاؤ۔ لیکن چونکہ ابراہیم علیہ السلام جانتے تھے یہ خدا کا حکم ہے "لم" "چوں چرا" نہیں کیا۔ جانتے ہیں کہ اس کا کوئی فلسفہ ہے اور حساب وکتاب کے بغیر نہیں ہے۔ بیوی بچہ کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں بعد میں "جرھم" کے قبیلہ والے آئے اور چونکہ یہ پانی مل گیا تھا۔ عرب بھی پانی کے بہت زیادہ ضرورت مند ہوا کرتے تھے وہیں خیمہ نصب کیا وہ رفتہ رفتہ ایک دیہات میں تبدیل ہوگیا اور اسماعیل علیہ السلام اس طرح وہاں پروان چڑھے وہ بھی کیسے جوان! ایک عزت دار جوان، ایک ہدایت یافتہ جوان، ایک بامعرفت جوان، اور ایسے بامعرفت تھے کہ خدا قرآن مجید میں نقل کرتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام کو بتاتے ہیں کہ اے میرے پیارے بیٹے! عالمِ خواب میں مجھے اس طرح کا حکم دیا جارہا ہے کہ میں اپنے ہاتھ سے تمہارا سر کاٹوں، فوراً عرض کرتے ہیں: ﴿یَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ﴾(۱) "اے بابا! جو آپ کو حکم دیا جارہا ہے اس پر عمل کریں" ایک اس قسم کا بیٹا!

---

(۱)۔ سورہ صافات، آیت ۱۰۲۔

ابراہیم علیہ السلام کا امر الٰہی پر اعتماد اور ان کا امر خدا کے مقابل میں تسلیم ہونا اس حد تک ہے کہ ایسا امر جو ان کی عقل وفکر کی نظر سے اس کا کسی طرح کا کوئی فلسفہ نہیں ہو سکتا (۱) چونکہ اعتماد و اطمینان تھا کہا: خدا نے کہا ہے: مجھے عمل کرنا چاہیے، میں امر خدا کے سامنے تسلیم ہوں چونکہ اعتماد و اطمینان رکھتا ہوں اور میں اس بات پر مطمئن ہوں کہ خدا نے جو حکم دیا ہے وہ عبث نہیں ہے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ دین اسلام دین تعقل و تفکر ہے دین فہم و فراست ہے۔ بہت سے احکام بلکہ شاید تمام اسلامی احکام جو قرآن میں ہیں اس کے فلسفہ کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔ فلسفۂ احکام کو معرفت کے لیے جاننا بہت اچھا ہے لیکن عمل کے لیے کیسا ہے؟ کیا ہم پہلے احکام کے فلسفوں کو سمجھیں پھر عمل کریں، کہ اگر نہ سمجھیں تو عمل نہیں کریں گے اگرچہ یہ بھی جانیں کہ اسلام نے کہا ہے؟! اگر اس طرح ہوا تو ہمارا عمل خالص نہیں ہے، ہمارا خلوص کم ہے۔ ہم نے نماز عید الفطر کے دعائے قنوت میں پڑھا: اللّٰھم انّی اسئلک خیر ما سئلک به عبادک الصالحون و اعوذ بک ممّا استعاذ منه عبادک المخلصون۔

مخلص بندے اس طرح ہوتے ہیں۔ بندۂ مخلص مقام بندگی میں کہتا ہے: مجھے

---

(۱)۔ واقعی طور پر بھی کوئی فلسفہ نہ رہا ہو۔ خدا واقعاً اس طرح نہیں چاہتا کہ ابراہیم علیہ السلام اپنے بچہ کو قتل کریں، لیکن یہ ابراہیم علیہ السلام کا امتحان تھا۔

صرف اتنا جاننا چاہیے کہ اس کا فرمان ہے یا نہیں؟ اگر اس کا حکم ہے تو میں اس کے حکم پر اعتماد رکھتا ہوں، اس بات سے میں واقف ہوں کہ اس کا حکم عبث نہیں ہے۔

قربانی دینے کا مسئلہ ہے، اسماعیل علیہ السلام کی نظر میں اپنی جان فدا کرنا اور ابراہیم علیہ السلام کی نگاہ میں بیٹے کو راہ خدا میں فدیہ دینا ہے، اور مقام عبودیت و تسلیم کے لحاظ سے ایک موضوع کہ جس امر کی ابراہیم علیہ السلام کے لیے بالکل کوئی وضاحت نہیں ہوئی تھی لیکن خود سے کہتے ہیں: خدا نے کہا ہے، چونکہ خدا نے کہا ہے میں عمل کروں گا۔ چھری کو تیز کر کے خود کو آمادہ کرتے ہیں۔ خود اسماعیل علیہ السلام کی تاکید کی بنا پر اپنے ہمراہ رسی بھی لے کر چلتے ہیں تا کہ اس بچہ کے ہاتھ پیر باندھ دیں، چونکہ کہا: بابا جان! کہیں ایسا نہ ہو کہ جب میری رگیں جدا ہونے لگیں اور درد محسوس ہونے کی وجہ سے اپنے دست و پا زمین پر ماروں تو آپ کو تکلیف پہنچے۔ ابراہیم علیہ السلام جاتے ہیں (۱) شیطان ایک

---

(۱)۔ مکہ سے منیٰ کا راستہ وہی اصلی منیٰ کا راستہ ہے۔ البتہ جب ہم منیٰ جاتے ہیں تو پہلے عرفات کی طرف جاتے ہیں پھر عرفات سے واپس آتے ہیں۔ عرفات مکہ کے مشرقی حصہ میں واقع ہے لیکن منیٰ مکہ کے شمال مشرقی علاقے میں واقع ہے۔ عرفات چار فرسخ میں ہے اور منیٰ دو فرسخ میں بلکہ دو فرسخ سے بھی کم۔ عام طور سے اگر ہم منیٰ جانا چاہیں تو ہمیں اسی شمال کے راستہ سے جانا چاہیے پھر مشرق کی طرف مڑیں تو منیٰ پہنچ جائیں گے۔ اور مستحب بھی اسی طرح ہے کہ حجاج جب نویں ذی الحجہ کی رات میں عرفات کی طرف جانا چاہیں تو منیٰ کے راستہ سے جائیں اور رات کو وہیں منیٰ میں قیام کریں اور نویں دن جو عرفہ کا دن ہے عرفات کی طرف جائیں کہ ظہر سے غروب تک وہیں عرفات میں قیام کرنا چاہیے، پھر دوبارہ واپس آئیں۔

لیکن اب چونکہ حجاج کرام کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اگر منیٰ کے راستہ سے جانا چاہیں تو بڑی زحمت >>>

انسانی شکل میں مجسم ہوا(۱) اور اسماعیل کے دل میں وسوسہ پیدا کر رہا تھا کہ: کہاں جا رہے ہو؟ ایسا ہو جائے گا، ویسا ہو جائے گا۔ لیکن اسماعیل علیہ السلام کیا کرتے؟ ان کے استاد اور رہبر ان کے والدِ گرامی ابراہیم علیہ السلام ہیں تو اب کس سے جا کر کہیں؟ اپنے استاد اور رہبر سے یا بابا جان سے! ارے دیکھیں یہ کیا کہہ رہا ہے؟ ابراہیم علیہ السلام کچھ ریت اٹھاتے ہیں اور پھینک کر کہتے ہیں: اے دشمنِ خدا دور ہو جا! شیطان کو تین مرتبہ خود سے دور کرتے ہیں۔ اس قربان گاہ میں جاتے ہیں، اور اپنے بیٹے کو سلاتے ہیں۔ چھری کو آمادہ کیے ہوئے ہیں کہ اپنے بیٹے کے گلے پر چلائیں، یعنی وہ آخری

>>> ہوگی اور یہ کام البتہ واجب بھی نہیں بلکہ مستحب ہے، یہی وجہ ہے کہ حاجیوں کو دوسرے راستے سے وادی عرفات میں لے جاتے ہیں۔ واپسی کے موقع پر دسویں کی شب کا جو فریضہ ہے مشعر الحرام (جو منیٰ سے نزدیک ہے) میں قیام کرنا ہے۔ پھر دس ذی الحجہ کے دن قربانی کے لیے منیٰ میں جائیں۔ ابراہیم علیہ السلام اسی اصل راستے سے گئے تھے۔

(۱)۔ وہ جمرات (عرفِ عام میں تینوں شیطانوں کو کنکریاں مارنے کو کہا جاتا ہے) جو اس وقت ہم دیکھ رہے ہیں، اس وقت کی یادگار ہے۔ لیکن اگر مکہ کی طرف سے عرفات کی سمت آئیں تو پہلے جمرۃ العقبہ (بڑے شیطان) تک پہنچیں گے پھر دوسرے جمرات کی طرف لیکن اگر عرفات کے راستے سے جائیں برعکس ہے لہٰذا پہلے جب ہم آئیں گے، اس آخری جمرہ کو (فقہی اصطلاح میں) رمی جمرات کریں گے یہ خود ایک طے شدہ معاملہ ہے کہ ہر شخص جس حد میں ہو پھر بھی ایک شیطان آئے گا تا کہ اس کے دل میں ایک قسم کا وسوسہ پیدا کرے۔ جو افراد سیر و سلوک اور اہلِ عرفان ہیں عجیب و غریب گفتگو کرتے ہیں کہتے ہیں: کبھی بھی شیطان اس صورت میں ہمارے لیے ظاہر نہیں ہوتا، چونکہ ہم اس سے زیادہ ضعیف ہیں کہ شیطان اس شکل میں آئے اور ہمیں اغوا کرے۔ جو شخص زیادہ قوی ہوگا شیطان اس کو اغوا کرنے کے لیے زیادہ قوی شکل میں آئے گا۔

کام جو ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں انجام پذیر ہوگا وہ یہی ہے: بچہ کو لٹائیں، اس کے ہاتھ پیر باندھیں ایک ہاتھ کو (عادت کے مطابق ضروری ہے کہ) اپنے بیٹے اسماعیل کے گلے پر رکھیں دوسرے ہاتھ سے چھری کو پکڑیں، اس کے بعد کا ایسا کام ہے کہ وہ اب چھری انجام دے گی اور ان کا بچہ جاں بحق ہو جائے گا۔

قرآن کریم کہتا ہے: ﴿فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ . وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ . قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ﴾ (۱) ''پھر جب دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا اور ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم! تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا''، صرف یہی کہ ان دونوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا (اسلام یعنی تسلیم) یعنی باپ اور بیٹے نے اس حد تک بتایا کہ حکم خدا پر اعتماد رکھتے ہیں، امر الٰہی کے لیے تسلیم ہیں، اس مسئلہ کے مقابل میں کہ ایک طرف سے یقین رکھتے ہیں کہ خدا کا حکم ہے لیکن ایک طرف سے کسی ایک بھی فلسفہ اور وضاحت کو اس کام کے لیے نہ سمجھنے کے باوجود تسلیم ہیں، حکم ہوا کہ بس کافی ہے۔ خدا بھی واقعاً نہیں چاہتا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو قتل کریں، چونکہ فائدہ اور کوئی خاصیت کا حامل نہیں تھا کہ ایک باپ اپنے ہاتھ سے اپنے بیٹے کو قتل کرے بلکہ ایسی سنت تھی کہ پہلے انسانوں کو قتل کرتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سنت کو منسوخ کرنا چاہتے تھے۔

---

(۱)۔ سورہ صافات، آیت ۱۰۳۔۱۰۵۔

لیکن کیسے اس سنت کو منسوخ کریں؟ اگر ابراہیم علیہ السلام اس واقعہ سے پہلے اس سنت کو منسوخ کرتے تو لوگوں کو یہ کہنے کا حق پہنچتا کہ ابراہیم علیہ السلام خود ڈر گئے تھے کہ وہ اپنے بچہ کی قربانی نہ کریں تو کہا: اب انسان کی قربانی کرنا منع ہے! لیکن ابراہیم علیہ السلام نے مقام تسلیم کو یہاں تک پہنچایا کہ سو فیصد حاضر ہوئے کہ اپنے بچے کی اپنے ہاتھ سے قربانی کریں، ان کا مقامِ اسلام و تسلیم انتہائی درجہ میں ظاہر ہوا، اس وقت حکم ہوا کہ، نہیں بس کافی ہے، قد صدقت الرویا: ''تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا'' خلاصہ اس کا معنی یہ ہے کہ حکم پر عمل کیا، یعنی ہم اس سے زیادہ اور کچھ نہیں چاہتے تھے ہم واقعاً نہیں چاہتے تھے کہ تم اپنے بچہ کو قتل کرو ہم تو یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ تم اس حد تک حاضر اور تسلیم ہو؟ کیا تم اپنے فرزند کو راہِ خدا میں قربان کرنے کے لیے حاضر ہو؟ تم خود حاضر ہو کہ اپنے بیٹے کی قربانی پیش کرو؟ تمہارا بیٹا بھی اس حد تک امر خدا کے مقابل تسلیم ہے؟ ہم اپنے بندوں سے یہ چاہتے ہیں، ہم اپنے بندوں سے راہِ حق میں فداکاری کے طالب ہیں، ہم اپنے بندوں سے راہِ حق میں تسلیم کے خواہاں ہیں، تم نے اپنا امتحان دیا: (قد صدقت الرویا) ''تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا''۔ بعد میں حکم ہوا: انسان کی قربانی کرنا ہمیشہ کے لیے ختم! بجائے اس کے کہ ایک انسان کی یہاں قربانی کریں، ایک گوسفند کی قربانی کریں جو ایک حیوان ہے کہ خدا نے اس کو اس لیے پیدا کیا ہے تاکہ اس کے گوشت سے فائدہ حاصل کیا جائے، اس کے گوشت کو فقیروں اور دوسرے افراد کو صدقہ دیں کہ اس وقت سے یہ سنت رائج ہوگئی۔

اس بنا پر ایک رکن عید قربان کا یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ اس دن عید منائیں یہ اس لیے ہے کہ وہ توحید کی ایک عظیم یادگار ہے جو نہ صرف یہ کہ فکری توحید ہے بلکہ عملی توحید بھی ہے۔

دوسرا حصہ اس عید کا یہ ہے کہ ہمارے برادران ان برسوں میں تقریباً ایک ملین اور پانچ لاکھ افراد (اور گزشتہ برسوں میں اسباب و وسائل کی قلت کی وجہ سے اس سے کم) تھے بہرحال ہمیشہ ایک بہت عظیم اجتماع مکہ میں تشکیل پاتا ہے اعمالِ حج انجام دیا جاتا ہے۔ ایسا دن ہے کہ شاید میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ نوے فیصد نے حکم خدا پر عمل کیا ہے۔ ارکانِ عملِ حج کو عید کے دن وقوف، عرفات میں وقوف، مشعر میں وقوف ہے، انجام دیا ہے، رمی جمرات کیا ہے، قربانی انجام دی ہے، قربانی کے بعد پھر لباس احرام سے خارج ہوئے ہیں۔ وہ لوگ ایک خاص موقعیت رکھتے ہیں۔ ہمارے بھائیوں کے لیے براہ راست عید ہے، عید، انجامِ وظیفہ کا نام گرامی ہے جیسے یہ کہ عید فطر بھی انجام وظیفہ کا نام ہے۔ لباسِ احرام سے خارج ہو کر تقصیر کرتے ہیں اپنے بدن کے بال بھی کٹوا سکتے ہیں وہ افراد جن کا پہلا سفرِ حج ہے ان کے لیے ضروری ہے کہ اپنے سر کو منڈوائیں، دوسروں کے لیے یہ لازم نہیں ہے لیکن انہیں چاہیے کہ ناخن یا اپنے بال کٹوائیں، بہرحال لباسِ احرام سے خارج ہوتے ہیں۔ ہم لوگ یہاں ہیں، ہم ان کے ساتھ ہمدردی اور ہمدلی کا اظہار کرتے ہیں، خوشحالی کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ ہمارے بھائیوں کو ایسی عظیم توفیق نصیب ہوئی ہے اور یہ بھی تمنا

کرتے ہیں کہ ہم بھی وہاں حاضری دیں، ہمیں بھی یہ موقع اور موقعیت فراہم ہو اور ہمارے دوسرے برادران ہمارے لیے جشن کا اہتمام کریں اور اظہارِ مسرت کریں۔

خود یہ کتنا اہمیت کا حامل ہے، کس قدر تعلقات و ہم بستگی کو ثابت کرتا ہے اسلام کتنا زیادہ مسلمانوں کے ساتھ تعلقات و ہم بستگی کا خواہاں ہے!

واقعاً عجیب ہے، یہ عصرِ حاضر میں اب ایسا مسئلہ بن چکا ہے کہ اگر انسان اسلامی تعلقات و ہم بستگی، ہم دردی اور وحدتِ اسلامی کا نام لے تو کچھ لوگ کہتے ہیں: جناب ایسی گفتگو کرنی جرم ہے، ہم شیعہ ہیں ہمیں دوسروں سے کسی قسم کا اتحاد نہیں رکھنا چاہیے، ہم دلی ہم بستگی اور تعلق رکھیں۔ لیکن اسلام کہتا ہے جناب! آپ اپنے شہر میں ہیں، اپنے ملک میں ہیں، ایران میں ہیں، ایران سے دور دراز علاقوں میں ہیں، ہندوستان میں ہیں، بلخ اور بخارا میں ہیں، جاپان میں ہیں، چین میں ہیں، یورپ میں ہیں، امریکا میں ہیں، آپ وہاں بھی اس جیسے دن کو جو آپ کے برادرانِ مسلمین کی کامیابی اور ان کے فریضہ انجام دینے کا دن ہے، ان کی اور ان کے اعمالِ عید کا فریضہ انجام دینے کی یاد میں مسرت اور خوشی بھی منائیں۔

اچھا، عصرِ حاضر کی سنتوں میں سے ایک سنت (جیسا کہ خود محترم حضرات کو بھی علم ہے) نماز تھی کہ ہم پڑھ کر کامیاب ہوئے، اور ایک دوسرا مسئلہ قربانی کرنا اور صدقہ دینے کا ہے، ہمیں امید ہے کہ خداوند متعال ہم سب کو توفیق عنایت فرمائے کہ ہم واقعی مسلمانوں میں سے ہوں۔

ہم اسی مقام پر چند دعائیہ کلمات کے ساتھ اپنے معروضات کو ختم کرتے ہیں۔

خدایا! ہمیں اسلام کی شناخت کی توفیق عنایت فرما۔

خدایا! ہم مسلمانوں کے دلوں کو ایک دوسرے سے نزدیک فرما۔

خدایا! تجھے تیرے کرم کا واسطہ اس شائستگی اور لیاقت کو مسلمانوں کے شامل حال فرما کہ اپنے درمیان نفاق اور اختلافات کو ختم کر دیں۔

خدایا! ہمیں ملت ابراہیم علیہ السلام پر (جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے) با حیات رکھ اور ملت ابراہیم علیہ السلام پر موت دے۔

خدایا! ہمیں واقعی مسلمان قرار دے۔

خدایا! ہم سب کو خلوص نیت کی توفیق کرامت فرما۔

خدایا! ہم سب کی اموات کو اپنی رحمت سے مالا مال فرما۔

مختصر یادداشتیں

احرام اور اس کا فلسفہ

محرمات احرام کہ جسے فقہا مجموعی طور پر چوبیس عدد جانتے ہیں کی روح و معنی نیز روحانی و اخلاقی اور اجتماعی فلسفہ کے لحاظ سے چند قسمیں ہیں:

ا۔ جانداروں کو آزار و اذیت دینے سے پرہیز کرنا، اذیت تحمل کرنا بالآخر جانداروں کے مقابل میں صلح و مصالحت کے ساتھ رہنا اور برسر پیکار نہ ہونا نیز امن و امان کا اعلان کرنا۔ اسی زمرے سے ہے:

الف۔ جنگلی جانوروں کا شکار کرنا صحرائی شکار (البتہ دریائی حیوان کا شکار اسی طرح پالتو جانوروں جیسے گائے گوسفند (بھیڑ) کو ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے)۔

ب۔جھوٹ بولنا،گالی دینا اور بری بات کہنا (فسوق)۔

ج۔جدال (قسم کھانا)۔

د۔موذی بدن حیوانات کو مارنا جیسے جوں،چیلر۔

ھ۔اسلحہ ساتھ لے کر چلنا۔

و۔اپنے بدن سے خون باہر نکالنا۔

ز۔دانت نکلوانا۔

۲۔ان محرمات احرام میں سے بعض لذت عبادت کو درک کرنے کے لیے عام لذت متروک ہے اور لذت ترک کرنے کا تعلق جسمانی لذتوں سے ہے جیسے؛

الف۔جماع ترک کرنا، بوس و کنار، لذت آمیز نگاہ، استمناء (یعنی ہاتھ وغیرہ سے کوشش کر کے منی نکالنا) یہاں تک کہ اس عمل کے مقدمات کو بھی جیسے نکاح کرنا اور نکاح کا گواہ بننا۔

ب۔خوشبو استعمال کرنا۔

ج۔سرمہ لگانا۔

د۔زینت کے خیال سے انگوٹھی پہننا۔

ھ۔عورت کو خود اپنی زینت کرنا۔

و۔بدن پر تیل ملنا۔

۳۔محرمات احرام کی تیسری قسم نفس کو تقویٰ و ریاضت دینے پر مشتمل ہے کہ

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: (نہج البلاغہ مکتوب نمبر ۴۵) ”و انی لا روضھا بالتقوی لتأتی امنة یوم الفزع الاکبر“۔

”میں تو اپنے نفس کو تقویٰ کی تربیت دے رہا ہوں تا کہ عظیم ترین خوف کے دن مطمئن ہو کر میدان میں آئے۔“

الف۔ جسم کے بال صاف کرنا۔

ب۔ مرد کے لیے سر چھپانا تا کہ سورج کی گرمی نہ پڑے۔

ج۔ عورت کے لیے منہ چھپانا تا کہ سورج کی گرمی نہ پڑے۔

د۔ دورانِ سفر سایہ میں چلنا۔

ھ۔ ناخن تراشنا۔

و۔ آئینہ دیکھنا۔

ز۔ سلا ہوا لباس پہننا۔

ح۔ ایسی چیز پہننا کہ تمام پیروں کے پچھلے حصوں کو چھپالے۔

لیکن جو کچھ اصل احرام ہے وہ یہ ہے کہ انسان لبیک کہنے سے مُحرِم ہو جاتا ہے جس طرح تکبیرۃ الاحرام کے ساتھ نماز میں داخل ہوتا ہے چونکہ اس تمام مدت میں عبادت کی حالت میں ہے اور ایک مداوم عبادت ہے۔ ایک لحاظ سے محرماتِ نماز حج کے مُحرِم کے لیے جائز ہے جیسے: کھانا کھانا، سونا، ہنسنا، قبلہ سے منحرف ہونا، اس کا سبب بھی معلوم ہے۔ نماز ایک پانچ منٹ کی عبادت اور حج و عمرہ چند دنوں کی عبادت ہے۔

بعض حصوں میں مشترک ہے جیسے یہ کہ نیت ضروری ہے، لباس غصبی نہ ہو یا جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے اس کا جز نہ ہو یا مرد کے لیے خالص ریشمی نہ ہو یا نجس نہ ہو۔

بعض حصے حج کے مختصات میں سے ہیں، جیسے یہ کہ دو سادے ٹکڑے غیر سلے ہوئے لباس سے مُحرم ہوں سر برہنہ ہوں، پاؤں میں جوتے یا ایسے موزے نہ ہوں جو پیر کے پچھلے حصوں کو چھپادیں۔ اس مقام پر تمام غنی وفقیر صاحب منصب وغیر منصب، زبان کے تمام تفاوت، جنس ورنگ اور اقلیمی تمام علامتیں وغیرہ ختم ہو جاتی ہیں تمام مسلمان اس اجتماعی عبادت میں ایک لباس اور ایک رنگ میں ہو کر حاضر ہوتے ہیں۔

تن از آلایش هر رنگ بشو همچو مسیح

تا ببینی که در این خم* همه هم رنگ همیم

عیسیٰ علیہ السلام مسیح کی طرح ہر قسم کے رنگ کی آلائش و گندگی اپنے بدن سے دور کرو تا کہ تم یہ مشاہدہ کر سکو کہ اس خم میں سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔

روحِ احرام تمام حلال چیزوں کو ترک کرنے کی مشق ہے جن میں سے بعض مستحبات میں شمار ہوتے ہیں، تا کہ مکمل نظم وضبط اور مقاومت کی حس کو تقویت کرنے

---

*۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک معجزہ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ آپ رنگین کپڑے ایک مٹکے میں ڈال دیتے تھے جو سفید یا سیاہ ہو جاتے تھے۔ (مترجم)

کی آمادگی پیدا ہو۔

کعبہ اور اس کے اجتماعی کردار کے نوٹس (NOTES) میں میں نے کہا تھا کہ ابن اثیر اس مضمون کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں: "کل مسلم عن مسلم محرم"۔

لباسِ احرام پروردگار کے حضور ایک عمومی مجمع میں عمومی و رسمی لباس ہے کیوں اس عمومی مجمع میں ایک ہی لباس ہونا چاہیے؟! اس لیے کہ ایک ہی رنگ و شکل میں ہم رنگ و ہم شکل ہونا ہم دلی و ہم دم ہونے میں مؤثر ہوتا ہے۔ معمولاً رسمی مجالس میں بادشاہ لوگ ایک مخصوص لباس کو رسمی لباس کے عنوان سے انتخاب کرتے ہیں اور یہ فعل دراصل نیک ہے۔

لیکن حج میں ان میں سے سادہ ترین ایک ہی لباس ہونا چاہیے۔

جو افراد صدر اسلام سے ۳۳۵ تک مسعودی کے نقل کے مطابق حجاج کرام کی امارت (سرداری) کے ذمہ دار تھے۔

مسعودی مروج الذہب کی دوسری جلد کے آخر میں "ذکر تسمية من حج بالناس اول الاسلام الى سنة خمس و ثلثين و ثلثماة" مذکورہ عنوان کے تحت فتح مکہ والے سال سے جو ہجرت کا آٹھواں سال ہے شروع کیا ہے، رقم طراز ہیں: اس سال عتاب ابن اسید نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے لوگوں کے ہمراہ حج انجام دیا۔

وہ مزید تحریر کرتے ہیں کہ ایک نقل کے مطابق اس سال لوگوں کا کوئی امیر الحاج نہیں تھا اور ہجرت کے نویں سال کی ابتدا میں ابو بکر [ابن ابی قحافہ] کو بھیجا اس کے بعد حضرت امام علیؑ کو مامور کیا کہ سورہ برائت کو لوگوں کے لیے پڑھیں اور دسویں سال خود رسول اکرمؐ اور گیارہویں سال عمر [ابن خطاب] گئے اسی ترتیب کے ساتھ ایک ایک سال کو ۳۳۵ھ تک شمار کرتے ہیں، اور خود جناب مسعودی ۳۳۶ھ میں زندگی بسر کرتے ہوئے اس تاریخچہ کو تحریر کر رہے تھے۔

جیسے یہ کہ قدیم زمانہ میں امیر الحاج کو، ملک الحاج بھی کہا جاتا تھا، حافظ کہتے ہیں:

جلوہ بر من مفروش ای ملک الحاج کہ تو

خانہ می بینی و من خانہ خدا می بینم

اے ملک الحاج تم اپنی جلوہ نمائیاں مجھے فروخت نہ کرو

اس لیے کہ تم صرف گھر کو دیکھ رہے ہو اور میں خانہ خدا کا نظارہ کر رہا ہوں

عاشقانہ حج (۱)

عاشق چو رو بہ کعبۂ صدق و صفا کند

احرام خود ز کسوت صبر و رضا کند

---

(۱)۔ درج ذیل اشعار کو جناب سید جواد الیاسی صاحب نے استاد شہید مطہریؒ کو پیش کیا تھا اور انہوں نے اسے اپنے حج کی یادداشتوں میں قرار دیا تھا۔

در پیش راه بادیه گیرد غریب وار
ترک عشیره و بلدو اقربا کند
مگر یزد از شداید و رنج مسافرت
در طی ره تحمل خار جفا کند
بگشاید آن زمان دولب از بهر تلبیه
گوش سپهر کر ز صلای بلی کند
از صدق چون قدم به نهد در منای عشق
اول به پای دوست سر و جان فدا کند
آنجا که موقف عرفات محبت است
بر جای سنگریزه سر از کف رها کند
از بهر استلام حجر چون کند نزول
تن را نشان ناوک سنگ و عصا کند
بر گرد خیمه گاه بگردد پی وداع
باچشم اشکبار طواف النسا کند
از پردهٔ خیام شتابان به قتلگاه
رو آورد به هروله قصد صفا کند

از رکن تا مقام شھادت بہ پای شوق
طی طریق از سر مھر و وفا کند
پس در کنار زمزم اخلاص تشنہ لب
بنشیند و بہ زمزمہ یاد خدا کند
آنگاہ دست وروی بشوید ز خون خویش
بر خیزد و نماز شھادت ادا کند
قربان عاشقی کہ حدیث مصیبتش
کاخ وجود را ھمہ ماتم سرا کند
گسترده شد بساط عزایش بہ روزگار
تا عیش روزگار بدل بر عزا کند
بی اختیار خون چکد از دیدۂ جلی
ھر دم کہ یاد واقعۂ کربلا کند

عاشق جیسے ہی صدق وصفا کے کعبہ کی طرف رخ کرتا ہے
تو اپنے احرام کو جامۂ صبر ورضا سے آراستہ کرتا ہے
راہِ صحرا کو غریب زدہ انسان کی طرح طے کرتا ہے
اپنے خاندان و کنبے اور شہر کو بھی ترک کرتا ہے
مسافرت کے رنج و مصائب سے فرار نہیں کرتا

راستے کو طے کرنے میں ظلم و ستم کی سختی کو بھی تحمل کرتا ہے

اس زمانہ میں لبیک کہنے کے لیے لب کشائی کرتا ہے

تو اس کی آواز آسمان تک سے ٹکرانے لگتی ہے

صدق و سچائی کے ساتھ منیٰ کی وادیِ عشق میں قدم رکھتا ہے

تو سب سے پہلا قدم، دوست پر اپنی جان و تن کو فدا کرتا ہے

جہاں محلِ عرفات محبت ہے

جہاں سنگریزے کے بجائے سرِ تسلیم کو نثار کرتا ہے

حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے جب وہ خم ہوتا ہے

تو اپنے بدن کو حجر اسود کا نشانہ بنا دیتا ہے

الوداع کے لیے خیمہ گاہ کے اطراف گھومتا ہے

اپنی اشک بار چشم کے ساتھ طواف النساء انجام دیتا ہے

خیام کے پردہ سے قتل گاہ کی طرف تیزی سے دوڑ کر

صفا و مروہ کی انجام دہی کے لیے سرعت سے اس کی طرف رخ کرتا ہے

رکن سے مقام شہادت تک اشتیاق کے ساتھ اپنا قدم اٹھاتا ہے

مہربانی و وفا کے راستے کو طے کرتا ہے

اخلاص کے تشنہ لب زمزم کے کنارے آکر بیٹھتا ہے

اور یادِ خدا کا ورد کرتا ہے

اس وقت اپنے خون سے عشق کا وضو کر کے بلند ہوتا ہے

اور نمازِ شہادت ادا کرتا ہے

ایسے عاشق پر قربان ہو جائیں کہ جس کی مصیبت کی داستان سے

ہر ایک کا قصرِ وجود ماتم سرا بن جاتا ہے

اس کا فرشِ عزا زمانہ میں پھیل گیا

تا کہ اپنے زمانہ کے عیش و آرام کو عزا میں تبدیل کر دے

بے اختیار نمایاں طور پر اشکِ خوں رواں ہوتا ہے

جس وقت بھی وہ واقعۂ کربلا کو یاد کرتا ہے

الاحقر سید جواد الیاسی

ای قوم به حج رفته کجایید کجایید

معشوق همین جاست بیایید بیایید

معشوق تو همسایهٔ دیوار به دیوار

در بادیه سرگشته شما در چه هوایید

گر صورت بی صورت معشوق ببینید

هم حاجی و هم کعبه و هم خانه شمایید

صد بار از این راه بدان خانه برفتید

یک بار از این خانه بر این بام برآیید

گر قصد شما دیدن آن خانہ جان است
اول رخ آینہ بہ صیقل بزدائید
احرام چو بستید از آن خانہ برستید
از فرقہ ناموس بکلی بدر آئید
آن خانہ لطیف است نشانھاش مگوئید
از خواجہ آن خانہ نشانی بنمائید
کو دستہ ای از گل اگر آن باغ بدیدید
کو گوھری از جان اگر از بحر خدائید
با اینھمہ آن رنج شما گنج شما باد
افسوس کہ بر گنج شما پردہ شمائید
رو بند گشائید و ز سر پردہ اسرار
پس خویش بدانید کہ سلطان نہ گدائید
گنجید نھان گشتہ در این تودہ پر خاک
چون قرص قمر ز ابر سیہ باز بر آئید

اے حاجیو کہاں ہو کہاں ہو!!
معشوق یہیں ہے آؤ چلے آؤ
تمہارا معشوق ایک دوسرے کی دیوار کے ہمسایہ کی طرح

صحرا میں حیران و سرگرداں ہے تم کس فکر اور حالت میں ہو

اگر چہرہ کو معشوق کی صورت کے بغیر مشاہدہ کرو

تو تم ہی حاجی بھی ہو اور خانۂ کعبہ بھی

تمہیں معلوم ہے کہ سو مرتبہ اسی راستے سے تم اس گھر کی طرف سے گزرے ہو

مگر ایک مرتبہ اس گھر سے اس کی چھت پر آجاؤ

اگر تم اپنے جان جاناں کے کاشانہ کے دیدار کا قصد رکھتے ہو

تو پہلے آئینۂ دل کو صیقل کرو

جیسے ہی احرام باندھا اس گھر سے باہر آ گئے

تو پھر اہل و عیال کی فکر سے بھی مجموعی طور پر خارج ہو جاؤ

وہ گھر پُر لطف ہے لہٰذا اس کا نام و نشان نہ بتاؤ

اس صاحب خانہ کی ایک علامت مجھے بتا دو

اگر تم نے اس باغ کا دیدار کیا ہے تو گل دستہ کہاں ہے

اگر سمندر سے باہر آئے ہو تو پھر گوہر کہاں ہے

یہ تمام رنج و مصیبت یہی تمہارا خزانہ ہے

افسوس کہ تمہارے خزانے پر جو حجاب ہے وہ خود تمہارا نفس ہے

لہٰذا حجاب اسرار اٹھا لو

تو پھر یہ سمجھ لو کہ خود تم بادشاہِ وقت ہو گدا نہیں

تم اس خس وخاشاک کے انبار میں ایک گمشدہ خزانہ ہو

چاند کے ہالہ کی طرح سیاہ بادل سے باہر نکلو

خاقانی کا ان کے دیوان کے صفحہ ۲۱۵ پر ایک مفصل اور بہترین قصیدہ ہے جس میں اپنے ایک سفرِ مکہ میں حج کی توصیف کی ہے رجوع کریں۔

نیز صفحہ ۸۸ پر دوسرے قصیدے حج کی توصیف میں موجود ہیں جس کا اس بیت سے آغاز ہوتا ہے:

شبروان در صبح صادق کعبۂ جان دیدہ اند

صبح را چون مُحرمان کعبہ عریان دیدہ اند

شب میں سفر کرنے والوں نے صبح صادق میں کعبۂ جان کا مشاہدہ کیا ہے

صبح کو مُحرموں کی طرح کعبہ کو بغیر غلاف کے دیکھا ہے

دیوان خاقانی کے مقدمہ کی طرف رجوع کریں، صفحہ ۱۷، ۱۸۔

ناصر خسرو کے بھی حج کے متعلق مشہور و معروف اشعار پائے جاتے ہیں جو میم پر ختم ہوتے ہیں۔ اربعینِ طہرانی کی طرف رجوع کریں۔

''انڈونیشیا کی سرگزشت'' کے مقالہ کی طرف بھی راہنمائے کتاب نامی مجلہ شمارۂ آذر ماہ ۴۰ میں رجوع کریں۔

مزید کعبہ اور اس کا اجتماعی کردار کے نوٹس (NOTES) کی طرف رجوع کریں۔

فلسفۂ حج

عیون اخبار الرضا کے درج ذیل صفحات ۲۶۲، ۲۶۳۔۲۶۴ کی طرف رجوع کریں۔

اسرار حج

شرح نہج البلاغہ، ابن میثم جلد اول کے صفحات ۲۲۹۔۲۳۴ کی طرف رجوع کریں۔

چین میں حج کا اثر

کتاب صراط المستقیم کے صفحات ۴۴۳، ۴۴۶، ۴۵۰ کی طرف رجوع کریں۔

حج مسلمانوں کے اجتماعی زاویے سے

نماز جمعہ کی احادیث میں وارد ہوا ہے:

''جاء اعرابی الی النبی صلی اللہ علیه وآله وسلم یقال له قلیب، فقال: یا رسول اللہ، انی تهیئت الی الحج کذا و کذا مرة فما قدر لی. فقال له: یا قلیب، علیک بالجمعة فانها حج المساکین.'' (وافی، ج۵، ص۱۶۶)۔

''ایک اعرابی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا جسے قلیب کہا جاتا تھا، اس نے آکر عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے حج کا متعدد مرتبہ اس طرح اس طرح ارادہ کیا تو میں اس پر قادر نہیں ہوا۔ تو اسی سے کہا گیا: اے قلیب! تمہارے لیے (نماز) جمعہ لازم ہے چونکہ وہ فقراء و مساکین کا حج ہے۔''

اسلامی ممالک میں حج اوراس کا اثر

کتاب اسلام، صراط مستقیم کے صفحات ۴۴۳، ۴۴۶، ۴۵۰ اور ۱۳۵ کی طرف رجوع کریں۔

فوائدِ حج ویل ڈورانٹ کی نظر میں

تاریخ تمدن ویل ڈورانٹ ج ۱۱ص ۱۰۶ کی طرف رجوع کریں۔

کعبہ

کعبہ عربوں کے درمیان قریش کے سوئے استفادہ اور غرور حاصل کرنے کا وسیلہ تھا اور بالخصوص عام الفیل کے واقعہ نے کعبہ اور قریش کو بہت زیادہ احترام بخشا تھا۔ لہٰذا فرمایا: ﴿لَا یَسْتَوِی مِنْکُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولٰئِکَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِینَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا﴾(۱)۔

''اور تم میں سے فتح سے پہلے انفاق کرنے والا اور جہاد کرنے والا اس کے جیسا نہیں ہوسکتا ہے جو فتح کے بعد انفاق اور جہاد کرے۔ پہلے جہاد کرنے والے کا درجہ بہت بلند ہے۔''

قرآن کریم اس نکتہ کی طرف کہ کعبہ قریش کے غرور کا سبب ہوگیا تھا سورۂ مومنون میں اشارہ کرتا ہے: ﴿...مُسْتَکْبِرِینَ بِهِ(البیت) سَامِرًا تَهْجُرُونَ﴾(۲)

---

(۱)۔ سورہ حدید، آیت ۱۰۔ (۲)۔ سورہ مومنون، آیت ۶۷۔

''اکڑتے ہوئے ،قصہ کہتے اور بکتے ہوئے۔''

زندگانی محمد، ڈاکٹر ہیکل جلد دوم ص ۴۹۳ اور ۵۷۱ کی طرف رجوع کریں۔

زندگانی محمد، ڈاکٹر ہیکل جلد اول ص ۱۴۴ کی طرف رجوع کریں۔

تفسیر المیزان جلد ۳ ص ۳۸۵ آیہ ﴿ان اول بیت وضع ...﴾ کے ذیل میں رجوع کریں نیز ص ۳۹۴ میں گھروں ،شکلوں ، کپڑوں ،منزلتوں ، ولایتوں کے متعلق رجوع کریں۔

نیز تفسیر المیزان جلد ۱ ص ۳۰۱ میں حج کی تشریع (قانون گزاری) کے متعلق رجوع کریں اور یہ کہ اعمال حج مقامات ابراہیم اور ان کے گھرانہ کی نمائندگی کرتے ہیں۔

مکہ مکرمہ کے گھروں کو فروخت کرنا اور اجارہ پر دینا جائز نہیں ہے۔

شیخ طوسیؒ ''خلاف'' کی کتاب البیوع مسئلہ ۳۱۶ میں تحریر فرماتے ہیں: ''لا یجوز بیع رباع مکہ و ...'' ''مکہ کے گھروں کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔''

اجتماع میں مرکزیت

اقبال شناسی ،ص ۸۰:

ہر ایک سماج ایک ایسے مرکز کا محتاج ہے کہ تمام ثقافتی اور اجتماعی سرگرمیوں کے فروغ کو وہاں سے نمایاں و درخشاں ہونا چاہیے۔

یہ سرگرمیاں معاشرے کے لیے ایسا خون عطا کرتی ہیں جو سرمایہ حیات ہے اور مرکز بمنزلۂ قلب ہے اور قلب کا فریضہ انجام دیتا ہے اس معنی میں کہ خون کو صاف

کرتا ہے اور تازہ خون کو آرام و سکون سے تمام اعضاء و جوارح کے اطراف میں پہنچاتا ہے۔ جب تک اس قسم کا کوئی مرکز موجود ہوگا اسی حیات بخش خون کو آمادہ کرے گا۔ تمام بدن بغیر کسی وقفہ اور تعطلی کے اپنے وظیفہ کو انجام دے گا۔ مسلمانوں کے لیے ایسا مرکز "مکہ" ہے اور تمام فرعی مراکز اس مقام سے تقویت پاتے ہیں اسی وسعت کے نتیجہ میں اسی نظریہ کی وجہ سے یعنی ایک رمی مرکز کی طرف توجہ رکھنے کا ہی نتیجہ تھا جو موجودہ پاکستان کے فلسفہ و مفہوم اور اس کی تاسیس کا باعث ہوا اس معنی کی طرف توجہ رکھتے ہوئے ایک نظم میں کہتے ہیں:

زمانہ کہنہ بتان راہزار بار آراست
من از حرم نگذشتم کہ پختہ بنیاد است

زمانے نے آثار قدیمہ کو ہمیشہ آراستہ کرکے پیش کیا ہے
میں بھی حرم سے نہیں گزر سکا چونکہ اس کی بنیاد مستحکم ہے

نیز اپنے ترانے (عربی ترجمہ) میں کہتے ہیں:

بنیت فی الارض معابدها والبیت الاول کعبتنا
هو اول بیت نحفظه بحیاة الروح و یحفظنا

زمین میں یوں تو بہت سے عبادت خانے بنائے گئے لیکن پہلا بیت عبادت ہمارا خانۂ کعبہ ہے وہ اولین گھر ہے جس کی آپ حفاظت کرتے ہیں اپنی روح حیات کے ذریعہ اور وہ بھی ہماری حفاظت کرتا ہے۔

فہرست آیات قرآن کریم

متن آیت	اسم سورہ	آیت نمبر	صفحہ
بسم اللّٰہ الرّحمن...	فاتحہ	۱	۵۲
الحمد للّٰہ ربّ...	فاتحہ	۲	۱۴۳
و اذ جعلنا البیت...	بقرہ	۱۲۵	۶۳، ۶۴، ۷۲، ۱۰۸
و اذ قال ابراھیم ربّ...	بقرہ	۱۲۶	۷۳
سیقول السّفھاء من...	بقرہ	۱۴۲	۷۳
قد... فولّ وجھک...	بقرہ	۱۴۴	۷۲
و اتمّوا الحجّ و العمرۃ...	بقرہ	۱۹۶	۷۴
الحجّ اشھر معلومات...	بقرہ	۱۹۷	۷۴، ۱۲۳
لیس علیکم جناح...	بقرہ	۱۹۸	۷۴
ثمّ افیضوا من حیث...	بقرہ	۱۹۹	۷۴، ۱۳۶

فاذا قضیتم مناسککم...	بقرہ	۲۰۰	۷۳، ۱۳۶
و منھم من یقول ربّنا...	بقرہ	۲۰۱	۷۳
اولٰئک لھم نصیبٌ...	بقرہ	۲۰۲	۷۳
و اذکروا اللہ فی ...	بقرہ	۲۰۳	۷۳، ۱۳۶
قل... تعالوا الی کلمةٍ...	آل عمران	۶۴	۱۳۶
انّ اوّل بیتٍ وضع للنّاس...	آل عمران	۹۶	۳۸، ۶۱، ۶۴، ۷۲، ۷۵، ۱۸۲
فیہ ایاتٌ بیّناتٌ...	آل عمران	۹۷	۷۵
واعتصموا بحبل اللہ ...	آل عمران	۱۰۳	۳۱
ولتکن منکم امّةٌ ...	آل عمران	۱۰۴	۲۸
ولا تکونوا کالّذین...	آل عمران	۱۰۵	۳۲
یا ایّھا الّذین امنوا ...	آل عمران	۲۰۰	۲۷، ۱۰۹
و... انّما یتقبّل اللہ...	مائدہ	۲۷	۴۷
یا... ذٰلک فضل اللہ...	مائدہ	۵۴	۹۵
یا ایّھا الّذین امنوا...	مائدہ	۹۴	۷۶
یا ایّھا الّذین امنوا...	مائدہ	۹۵	۷۶
احلّ لکم صید البحر...	مائدہ	۹۶	۷۶
جعل اللہ الکعبة ...	مائدہ	۹۷	۶۴، ۷۶، ۸۴، ۸۶
ما جعل اللہ من بحیرةٍ...	مائدہ	۱۰۳	۱۴۱
و ما لھم الّا یعذّبھم...	انفال	۳۴	۶۵، ۷۷

و ما کان صلاتهم عند...	انفال	۳۵	۷۷
و... ولا تنازعوا و ...	انفال	۴۶	۴۲
و... فلو لا نفر من کلّ...	توبه	۱۲۲	۸۰،۱۱۵
و اذ قال ابراهیم ربّ ...	ابراہیم	۳۵	۷۸
رب انّهنّ اضللن ...	ابراہیم	۳۶	۷۸
ربّنا انّی اسکنت ...	ابراہیم	۳۷	۷۸
ربّنا انّک تعلم ما ...	ابراہیم	۳۸	۷۸
الحمد للّٰه الّذی وهب ...	ابراہیم	۳۹	۷۸
ربّ اجعلنی مقیم...	ابراہیم	۴۰	۷۸
ولا تمش فی الارض ...	اسراء	۳۷	۹۳
و تاللّٰه لاکیدنّ ...	انبیاء	۵۷	۱۳۲
فجعلهم جذاذاً اَلّا ...	انبیاء	۵۸	۱۳۲
انّ الّذین کفروا و...	حج	۲۵	۲۳
و اذ بوّأنا لابراهیم ...	حج	۲۶	۲۹
و اذّن فی النّاس ...	حج	۲۷	۱۱، ۸۷
لیشهدوا منافع ...	حج	۲۸	۱۱، ۷۱، ۸۰
ثمّ ... و لیطّوّفوا ...	حج	۲۹	۷۱
ذلک و من یعظّم شعائر ...	حج	۳۲	۱۳۲
لکم... البیت العتیق.	حج	۳۳	

و... و اطعموا القانع ...	حج	۳۶	۹۹
لن ینال اللّٰہ لحومھا ...	حج	۳۷	۱۲۶،۱۲۵
افلم یسیروا فی ...	حج	۴۶	۵۵
مستکبرین بہ سامراً ...	مومنون	۶۷	۱۸۱
اللّٰہ ... یکاد زیتھا ...	نور	۳۵	۸۹
و قالوا ان نتبع ...	قصص	۵۷	۷۸
و کم اھلکنا من قریۃٍ ...	قصص	۵۸	۷۸
و ما کان ربّک مھلک ...	قصص	۵۹	۷۸
انّھم ... لا الٰہ الّا اللّٰہ ...	صافات	۳۵	۱۹
و... انّی ذاھبٌ الی ربّی ...	صافات	۹۹	۱۵۰
فلمّا ... یا ابت افعل ما ...	صافات	۱۰۲	۱۵۵
فلمّا اسلما و تلّہ ...	صافات	۱۰۳	۱۵۹
و نادیناہ ان یا ...	صافات	۱۰۴	۱۵۹
قد صدّقت الرّؤیا ...	صافات	۱۰۵	۱۵۹
شرع ... اقیموا الدّین ...	شوریٰ	۱۳	۲۵
انّما المؤمنون اخوۃٌ ...	حجرات	۱۰	۱۹
یا ... انّ اکرمکم عند ...	حجرات	۱۳	۱۲۲،۳۳
و ... لا یستوی منکم ...	حدید	۱۰	۱۸۱
لا... تحسبھم جمعیاً ...	حشر	۱۴	۳۴

فہرست احادیث

متن حدیث	قائل	صفحہ
ثلاث لا یغلّ علیهن ...	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۲۷
[... بیبنید ائمة شما ...]	امام صادق علیہ السلام	
ایها النّاس انّ ربّکم ...	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۳۳
ایها النّاس المجتمعة ...	امام علی علیہ السلام	۳۵
فجعل فیه الاجتماع ...	امام صادق علیہ السلام	۱۱۶،۳۵
و الحج تقویة للدّین.	امام علی علیہ السلام	۱۰۶،۱۰۱،۳۶
جعله سبحانه و تعالی ...	امام علی علیہ السلام	۱۳۴،۱۰۰،۳۶
لا یزال الدّین قائما ...	امام صادق علیہ السلام	۸۳،۳۷،۷
علیکم بمکارم الاخلاق ...	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۴۰
ما یعبأ بمن یؤمّ ...	امام باقر علیہ السلام	۱۳۲،۴۲
اللّهم حسّن خلقی ...	ـ	۵۰
سافروا تصحّوا ...	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۵۵
الرّفیق ثمّ الطّریق.	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۵۷
... لا یملکه احد.	امام باقر علیہ السلام	۶۰
امّا بعد فاقم للنّاس ...	امام علی علیہ السلام	۶۲

و كان النّاس اذا ...	—	۶۷
لم يكن ينبغى ان ...	—	۶۹
... الكل.	امام صادق علیہ السلام	۷۱
... هو بيت حرّ عتيق ...	امام باقر علیہ السلام	۷۱
انّما امروا بالحج ...	امام رضا علیہ السلام	۸۰
انّ الله خلق الخلق ...	امام صادق علیہ السلام	۸۳
يا بنىّ انظروا بيت ...	امام علی علیہ السلام	۸۳
... كذبوا، لو فعل ...	امام صادق علیہ السلام	۸۵
لو ان النّاس تركوا ...	امام صادق علیہ السلام	۸۵
الكعبة يؤتى ولا ...	امام علی علیہ السلام	۸۶
... جعلها الله لدينهم و ...	امام صادق علیہ السلام	۸۶
الطواف بالبيت صلوة.	—	۹۲
اذا حججت بمال اصله ...	—	۹۳
و ذكرهم بايام الله ...	امام علی علیہ السلام	۹۶
و فرض عليكم حج بيته ...	امام علی علیہ السلام	۹۹
فرض الله الايمان تطهيراً ...	امام علی علیہ السلام	۱۰۱
و الله الله فى القرآن ...	امام علی علیہ السلام	۱۰۳
الا ترون انّ الله ...	امام علی علیہ السلام	۱۰۴
انّى تارك فيكم الثقلين.	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۱۱۰

... امّا بک فلا ...	_	۱۴۹
اللّٰهم انی اسئلک ...	دعا	۱۵۷
کل مسلم عن مسلم ...	_	۱۱۸، ۱۷۱
انّما جعل السعی ...	امام رضا علیہ السلام	۱۲۴
انّما جعل اللّٰه هذا ...	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۱۲۶
کنا ننهی النّاس عن ...	امام صادق علیہ السلام	۱۲۷
... ان من اضلّه اللّٰه ...	امام صادق علیہ السلام	۱۲۹
و اما قولکم انی کنت ...	امام علی علیہ السلام	۱۳۳
یا علی انت منّی بمنزلة ...	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۱۳۴
... هی ایام التشریق ...	امام صادق علیہ السلام	۱۳۶
انّهم اذا کانوا فرغوا ...	امام باقر علیہ السلام	۱۳۷
و انّی لاروضها بالتّقوی ...	امام علی علیہ السلام	۱۶۹
... یا قلیب ، علیک ...	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۱۸۰

فہرست اشعار عربی

مصرع اول	تعداد ابیات	اسم شاعر	صفحہ
بنیت فی الارض معابدها	۲	اقبال لاہوری	۱۸۳
تغرّب عن الاوطان فی طلب العلی	۲	منسوب بہ امام علی علیہ السلام	۵۵
قتلوا ابن عفّان الخلیفة محرما	۱	راعی	۱۱۹
لقد هنت من طول المقام و من یقم	۲	ابوالفتح بستی	۵۷

فہرست اشعار فارسی

مصرع اول	تعداد ابیات	اسم شاعر	صفحہ
از من بگوی حاجی مردم گزای را	۲	سعدی	۹۵
ای قوم بہ حج رفتہ کجایید کجایید	۱۱	مولوی	۱۷۶،۱۷۷
بہ جرم خاک و بہ گردون نگاہ باید کرد	۴	انوری	۵۶
تن از آلایش ھر رنگ بشو ھمچو مسیح	۱	_	۱۷۰
جلوہ بر من مفروش ای ملک الحاج کہ من	۱	حافظ	۱۷۲
خودم نور رویا بام نور ونتہ ام نور	۱	_	۹۵
رہ طالبان و مردان کرم است و لطف و احسان	۳	سعدی	۹۱،۱۴۳
زمانہ کہنہ بتان راھزر اربار آراست	۱	اقبال لاہوری	۱۸۳
شبروان در صبح صادق کعبۂ جان دیدہ اند	۱	خاقانی	۱۷۹
عاشقان در سیل تند افتادہ اند	۲	_	۱۰۰
عاشق چو رو بہ کعبۂ صدق و صفا کند	۱۵	سید جواد الیاسی	۱۷۲
گاہ یارم ہمب باشد گاہ دُر	۱	_	۹۶
گاہ یارم خار باشد گاہ دُر	۱	_	۹۶
محنت بادیہ خریدہ بہ سیم	_	_	۴۵
مزمل و مدثر قل او حی مبارک	۱	_	۹۵
میازار موری کہ دانہ کش است	۱	فردوسی	۱۳۸

فہرست اسماء اشخاص

آدم علیہ السلام: ۱۰، ۳۴، ۱۰۴

ابان بن تغلب: ۸۶

ابراہیم علیہ السلام: ۱۳، ۶۴، ۶۵، ۶۹، ۷۳، ۷۶، ۷۹، ۸۷، ۹۷، ۹۸، ۱۲۵، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۵، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۴

ابن ابی العوجاء: ۹۹، ۱۲۷، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۴

ابن اثیر (ابوالحسن عزالدین علی): ۱۱۸، ۱۷۱

ابن میثم: ۱۸۰

ابوالفتح بستی: ۵۷

ابوبکر بن ابی قحافہ: ۱۷۳

اسحاق علیہ السلام: ۷۹

اسماعیل علیہ السلام: ۷۳، ۷۹، ۱۳۳، ۱۵۱، ۱۵۴، ۱۵۵

اقبال لاہوری (محمد):

الیاسی (سید جواد): ۱۷۴، ۱۷۶

انوری (اوحدالدین بن محمد): ۵۶

بازرگان (مہدی): ۶۹

بروجردی (حسین طباطبائی): ۱۱۱

بصری (حسن): ۱۲۷، ۱۲۹

جامی (نورالدین عبدالرحمن بن احمد): ۱۱۴

جبرئیل علیہ السلام: ۱۱۰، ۱۴۸

جعفر بن محمد، امام صادق علیہ السلام: ۲۸، ۳۴، ۳۵، ۷۱-۸۴، ۸۵، ۹۷، ۱۲۷، ۱۳۴

حافظ (خواجہ شمس الدین محمد): ۱۱۴، ۱۷۴

حسن بن علی، امام مجتبیٰ علیہ السلام: ۱۰۴

حسین بن علی، سید الشہداء علیہ السلام: ۱۰۴

حلی (علامہ حسن بن یوسف بن علی بن مطہر):

خاقانی (افضل الدین بدیل ابراہیم بن نجیب الدین): ۱۷۹

ڈورانٹ (ویل): ۱۸۱

رائی: ۱۱۸

سعدی شیرازی (مشرف الدین مصلح بن عبد اللہ): ۹۰، ۹۴، ۱۱۴، ۱۴۳

سلیم (شیخ عبدالمجید): ۱۱۱

سلیمان بن جعفر: ۱۴۴

سید مرتضی علم الہدی (ابوالقاسم علی بن حسین موسوی):

شیخ حر عاملی (محمد بن حسن شامی، صاحب وسائل):
شیخ صدوق (ابوجعفر محمد بن علی بن حسین): ۴۶
شیخ طوسی (ابوجعفر محمد بن حسن): ۱۱۲، ۱۸۲
شیطان: ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۵۷، ۱۵۸
طبرسی (ابوعلی فضل بن حسن): ۱۳۳، ۱۳۴
طہرانی: ۱۷۹
عبدالرحمٰن بن ابی عبداللہ: ۸۴
عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی: ۱۰۳
عبداللہ بن عبدالمطلب: ۱۴۰
عبدالمطلب: ۱۴۰
عبدہ (شیخ محمد): ۱۰۳
عتاب بن اسید: ۱۷۱
عثمان بن عفان: ۱۱۹
عطیہ سالم (شیخ): ۱۱۳
علی بن ابیطالب، امیر المومنین علیہ السلام: ۱۱، ۳۴، ۳۶، ۳۷، ۶۶، ۸۳، ۸۵، ۱۰۶، ۱۰۸، ۱۱۲، ۱۱۵، ۱۳۵، ۱۶۹، ۱۷۲
علی بن الحسین، امام سجاد علیہ السلام: ۱۳۳
علی بن موسی، امام رضا علیہ السلام: ۸۰، ۱۱۵، ۱۲۴
عمر: ۱۱۹
عمر بن الخطاب: ۱۷۳
عیسی بن مریم، مسیح علیہ السلام: ۱۷۰
غزالی طوسی (ابوحامد محمد بن محمد): ۵۳، ۵۴، ۵۷
غفوری (علی گلزادہ): ۶۲، ۶۳
فضل بن شاذان: ۸۰
قثم بن عباس: ۶۶، ۸۸، ۹۶، ۱۱۵
قلیب: ۱۸۰
قمی (علی بن ابراہیم): ۹۷
کاشف الغطاء (علامہ): ۳۱، ۱۴۲
کرہ ای: ۶۲، ۹۶
گلڈ سٹون: ۶۷
محمد بن عبداللہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ۱۹، ۸۹، ۲۷، ۳۱، ۸۹، ۹۶، ۱۰۸، ۱۱۳، ۱۱۶، ۱۷۱، ۱۷۲
محمد بن علی، امام باقر علیہ السلام: ۴۶، ۶۱، ۷۱، ۱۳۷
مسعودی (ابوالحسین علی بن حسین): ۸۸، ۱۷۱

معاویہ بن ابی سفیان: ۶۷، ۶۸
معاویہ بن وھب: ۴۸
منصور دوانیقی: ۸۶
موسوی (حسین، پدر سید مرتضی):
موسیٰ بن جعفر، امام کاظم علیہ السلام: ۶۵
مہدی عباسی: ۶۵
ناصر خسرو قبادیانی (ابو معین): ۱۷۹
نظامی گنجوی (حکیم ابو محمد الیاس بن یوسف):
نمرود: ۱۴۷
ھاجر: ۱۱۴، ۱۱۵
ھامان: ۹۱، ۱۴۳
ھشام بن الحکم: ۸۴، ۱۱۶
ھیکل (محمد حسین): ۱۸۲

فہرست اسماء کتب، نشریات و مقالات

احتجاج: ۱۳۲، ۱۳۴
اخلاق ناصری: ۱۱۴
اربعین: ۱۷۹
اسرار حج: ۶۴
اسلام، صراط مستقیم: ۱۸۱
اصل الشیعہ واصولھا: ۱۱۴
اقبال شناسی: ۱۸۲
الاحکام السلطانیہ: ۸۸
الحج والعمرۃ فی الفقہ الاسلامی: ۱۲۱
الغدیر: ۱۱۴
الکنی والالقاب: ۹۹
المحاسن والاضداد: ۵۷
ایران واسلام (مقالہ): ۱۳۸
تاریخ تمدن: ۱۸۱
تحف العقول: ۳۳
تذکرہ: ۱۱۴
تفسیر المنار: ۱۲۱
تفسیر المیزان: ۸۶، ۱۱۴، ۱۸۲

تفسیر صافی: ۶۱، ۷۱۔۷۲، ۸۷، ۹۷
تفسیر عیاشی: ۹۸
تفسیر قمی: ۹۶
تفسیر کشاف: ۱۳۸
تفسیر مجمع البیان: ۱۱۲
تہذیب: ۶۹
جامع السعادات: ۱۱۲
جزوۂ آقای کمرہ ای: ۹۶
خلاف: ۱۱۲، ۱۸۲
دیوان خاقانی: ۱۷۹
دیوان منسوب بہ امیر المومنین علی علیہ السلام: ۵۵
راہنمائی کتاب (مجلّہ): ۱۷۹
زندگانی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ۱۸۲
سرگذشت انڈونیشیا (مقالہ): ۱۷۹
شرح نہج البلاغہ: ۱۸۰
صحیفۂ سجادیہ: ۱۱۲
صراط المستقیم: ۱۸۱
عروۃ الوثقی: ۶۷
علل الشرائع: ۶۸، ۸۰، ۹۸
عیون اخبار الرضا: ۱۷، ۱۸۰
قبلہ: ۶۲
قرآن کریم: ۱۱، ۱۸، ۲۱، ۲۲، ۲۵، ۳۸، ۵۵، ۶۷، ۶۸، ۷۲، ۸۹، ۹۲، ۹۵، ۱۰۳، ۱۰۹، ۱۲۱، ۱۵۵، ۱۶۳
کافی: ۲۷، ۲۸، ۶۹، ۱۲۵، ۱۳۶، ۱۳۷
کیمیای سعادت: ۱۱۴
گلستان: ۹۴
مثنوی: ۱۱۴
محجۃ البیضاء: ۵۳، ۵۴، ۵۷
مختصر النافع: ۱۱۲، ۱۱۳
مروج الذہب: ۸۸، ۱۷۱
من لایحضرہ الفقیہ: ۴۶، ۱۲۲
نہایہ: ۱۱۸
نہج البلاغہ: ۳۴، ۳۶، ۹۹، ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۳۲، ۱۳۵، ۱۶۹، ۱۸۰
وافی: ۱۸۰
وسائل الشیعہ: ۴۲، ۱۳۳، ۸۰، ۸۵، ۹۰

WE SUPPLY BOOKS TO ALL OVER THE WORLD

The Saviour Islamic

Publications & Books Supplier

(Of Arabic, Persian, Urdu & English Books)

For Contact:

R-1111, Block-20, F.B. Area,Karachi,

Opp. Imam Bargah Chardeh Masoomeen

P.O. Box No. 17541

Tel: 021- 4624592, Fax: 021- 4624592

Mobile: 0345-2985380

E-mail: sbhk786@yahoo.com

sbhk110@gmail.com

Iran Mobile: 0098-912 7585273

اہم گزارش: ادارہ ہذا کتاب **تنقید بخاری** تالیف حکیم علی اظہرؒ جو پانچ جلدوں میں ادارہ اصلاح ہندوستان سے شائع ہوئی تھی اور **تفسیر لوامع التنزیل** (فارسی) تالیف علامہ ابوالقاسم حائریؒ جو ۲۷ جلدوں میں لاہور سے شائع ہوئی تھی کا طالب ہے۔ لہٰذا حاملین کتاب مذکورہ ہمیں جلد از جلد باخبر کریں۔

اپنی قدیم و بوسیدہ دینی کتابوں اور کتابخانوں کو ضائع نہ کریں
اِس قیمتی ورثہ کی حفاظت کریں

اِس ورثہ کو اہل علم تک پہنچائیں

یہ کتابیں مناسب قیمت پر ہمیں فروخت کریں تاکہ ہم جدید تقاضوں کے مطابق تصحیح و تحقیق کے ساتھ اور بہتر انداز میں اس کا احیاء کرسکیں

آج ہی رابطہ کریں:

حجۃ الاسلام سید بابر حسین کاظمی القمی

(انچارج مؤسسہ المنجی پاکستان)

آر۔۱۱۱۱، بلاک ۲۰، مقابل امام بارگاہ چہاردہ معصومین ایف بی ایریا کراچی

پی او بکس نمبر ۱۷۵۴۱

0345-2985380,0333-2153592

0098-9127585273 (Iran)

Sbhk786@Yahoo.com / Sbhk110@Gmail.com

موسسہ المجتبیٰ کی جانب سے مندرجہ ذیل زیر طباعت کتابیں جو عنقریب منظر عام پر آنے والی ہیں

نام کتاب	مؤلف	مترجم
۱۔ الغدیر (پانچ جلدیں)	علامہ امینیؒ	مولانا علی اختر گوپالپوریؒ
۲۔ القطرہ (مناقب اہلبیت) دو جلدی	آیت اللہ مستنبط	آزاد حسین
۳۔ ریحانہ بہشتی یا فرزند صالح	سیما مینجر	فیروز حیدر فیضی
۴۔ امام مہدیؑ کی ولادت وجود مقدس اور کمسنی میں امامت	علی اصغر رضوانی	فیروز حیدر فیضی و...
۵۔ خلاصہ شبہای پشاور	مسلم قلی پور	فیروز حیدر فیضی
۶۔ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمۃ (ج اول)	محقق اردبیلیؒ	فیروز حیدر فیضی
۷۔ اعتکاف ایک کامل عبادت	ابوالقاسم علیان	محمد عالم رضوی
۸۔ زیارت قبور	علی اصغر رضوانی	ذیشان حیدر صادقی
۹۔ توسل	علی اصغر رضوانی	ذیشان حیدر صادقی
۱۰۔ جشن و عزا	علی اصغر رضوانی	ذیشان حیدر صادقی
۱۱۔ بامداد بشریت (صبح انسانیت)	جواد طبسی	غلام محمد جعفری
۱۲۔ شیعہ جواب دیتے ہیں	آیت اللہ مکارم شیرازی	جواد حیدر ہاشمی
۱۳۔ حدیث کساء اور روایت صلوات		
مکتب خلفاء اور مکتب اہل بیت کی نگاہ میں	علامہ مرتضیٰ عسکریؒ	باقر حسین کاظمی

حضرت آیت اللہ مطہریؒ کی شہادت کی مناسبت سے
رہبر کبیر انقلاب اسلامی کے پیغام سے اقتباس

○ میں اسلام، ملت اسلام اور عظیم الشان اولیائے کرام بالخصوص ملت مبارز ایران کو عظیم شہید متفکر، فیلسوف اور فقیہ عالی مقام جناب الحاج مرتضیٰ مطہری علیہ الرحمہ کی افسوس ناک رحلت کے موقع پر تسلیت و تعزیت اور تبریک پیش کرتا ہوں۔ تسلیت اس جہت سے کہ ایسی عظیم شخصیت کی شہادت واقع ہوئی ہے کہ جس نے اپنی گراں قدر اور بابرکت عمر اسلام کے مقدس اہداف کی راہ میں صرف کی اور انحرافات و کج فکری سے خدمت کے ساتھ برسرپیکار رہے۔ تسلیت اس بنا پر کہ ایسے شخص کی شہادت واقع ہوئی ہے جو اسلام شناس اور اسلام کے مختلف علوم و فنون نیز قرآن کریم میں کم نظیر تھا۔ میں اپنے بہت ہی عزیز و محبوب فرزند کو کھو کر اس کے سوگ میں بیٹھا ہوں جو ان شخصیتوں میں سے تھا جو میری عمر کا ماحصل شمار ہوتا تھا۔ اسلام عزیز میں اس فرزند ارجمند اور عالم جاوداں کی شہادت کی وجہ سے ایک ایسا شگاف واقع ہوا ہے کہ کوئی شے اسے پر نہیں کر سکتی ہے۔ اور تبریک اس حوالے سے کہ ایسی فداکار شخصیتیں جو اپنے دور حیات اور زمانہ ممات میں اپنے جلووں کی نور افشانی کی اور کرتی رہتی ہیں۔ میں ایسے فرزند کی تربیت میں جو اپنی روشن شعاع سے مردوں کو حیات ابدی بخشتے ہیں اور ظلمتوں کو نورانیت عطا کرتے ہیں، اسلام، انسانوں کے عظیم مربی اور اسلامی امت کو تبریک عرض کرتا ہوں۔ میں نے اگرچہ اپنے عزیز فرزند جو میرا پارۂ بدن تھا کھو دیا ہے لیکن مجھے اس بات پر فخر محسوس ہوتا ہے کہ ایسے فداکار بیٹے اسلام میں موجود تھے اور موجود ہیں۔

''مطہری'' جو طہارت روح، قوت ایمان اور قدرت بیان میں کم نظیر تھے دنیا سے جا کر ملا اعلیٰ سے ملحق ہوئے لیکن بدخواہوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کی رحلت کے ساتھ ان کی اسلامی علمی اور فلسفی شخصیت باقی رہے گی۔

○ انہوں نے سلیس تحریر اور قوت فکری کے ساتھ اسلامی مسائل کا جائزہ لینے اور فلسفی حقائق و رموز کو لوگوں کی عام زبان میں بغیر قلق و اضطراب کے بیان کر کے معاشرہ کی تعلیم و تربیت انجام دی۔ ان کے قلمی اور بیانی آثار بلا استثنا سبق آموز اور حیات بخش ہیں نیز ان کے موعظے اور نصیحتیں جو ایمان و عقیدت کے سرشار قلب و جگر سے نشاۃ پاتی تھیں، وہ ایک عارف اور عام انسان کے لیے فائدہ مند اور فرحت و مسرت بخش ہیں۔

○ مطہری میرے لیے ایک پیارا بیٹا اور دینی حوزہ ہائے علمیہ کے لیے محکم پشت پناہی کرنے والا نیز ملت اور مملکت کے لیے نفع بخش خدمت گزار تھا۔ اللہ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور اسلام کے عظیم خدمت گزاروں کے جوار میں جگہ عنایت فرمائے۔

○ میں طالب علموں اور متعہد و ذمہ دار روشن فکر طبقے سے نصیحت کرتا ہوں کہ اس ہر دل عزیز استاد کی کتابوں کو غیر اسلامی سازشوں کے ذریعہ فراموشی کی نذر نہ ہونے دیں۔

MARKAZ-E-AHLUL BAYT (A.S)
&
THE SAVIOUR FOUNDATION
11-13 EDGELEY ROAD
CLAPHAM LONDON U.K
www.markaz.org.uk
moulana@markaz.org.uk

انتشارات
مسجد مقدس جمکران